A-PDF Merger DEMO : Purchase from www.A-PDF.com to remove the watermark

جامعہ امام محمد انور شاہ کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

A-PDF Merger DEMO : Purchase from www.A-PDF.com to remove the watermark

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد گار : امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا دینی، علمی ،اصلاحی و ادبی ترجمان

مارچ تا مئی ۲۰۱۶
جلد نمبر ۱۷
شمارہ نمبر ۷
سلسلہ نمبر ۱۷۱

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ

مدیر سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

مجلس ادارت

مولانا عبد الرشید بستوی 09634506041
مولانا فضیل احمد ناصری 08881347125

نگراں ترسیل

مولانا ابو طلحہ اعظمی 09997504588

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 09412496763-08006075484

ای۔میل: jimask94@gmail.com, ahmadanzarshah@gmail.com

اشتراک وتعاون

اندرون ملک :
فی شمارہ-/15 سالانہ-/150
خصوصی-/1000
تاحیات -/10000

بیرون ملک:
سالانہ:20امریکی ڈالر
خصوصی:100امریکی ڈالر
تاحیات:500امریکی ڈالر

مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت دیوبند کو ہی ہوگا۔

Composed By: Umar Ilahi DBD. 09358013409

ورق در ورق

صریر خامہ

عصریات	سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری	۳

افادات امام کشمیریؒ

مشکلات القرآن	مولانا محمد مزمل بدایونی	۷

قرطاس و قلم

نبی کریم ﷺ کے ہم پر حقوق..	شیخ عادل بن علی	۱۲
اعتدال ومیانہ روی وقت کی اہم ضرورت	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۷
عالمِ اسلام کے خلاف شیعوں کی ریشہ دوانیاں	مولانا مفتی وصی احمد قاسمی	۲۳
شیخ علی متقی الہندیؒ	مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی	۴۰
رمضان المبارک اور ہماری کوتاہیاں	مولانا صلاح الدین سیفی	۴۸
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر	مفتی محمد عظیم فیض آبادی	۵۳

شخصیات

دیوبند کے دو سپوت	ڈاکٹر عبید اقبال عاصم	۵۶

تعلیمی رپورٹ	مولانا مفتی وصی احمد قاسمی	۶۱
جامعہ کی سرگرمیاں	مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی	۶۴
فقہ وفتاویٰ	مولانا مفتی نثار خالد قاسمی	۶۸
نقد و نظر	مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی	۷۱
گوشوارہ تنظیم و ترقی	ادارہ	۷۲

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عصریات

✤سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

رواں ماہِ شعبان ماہِ صیام کے خیر مقدم واستقبال سے عبارت ہے۔حضور ختم الرسل ﷺ اس میں، رمضان کی خیرات و برکات کی خاطر گیارہ مہینوں سے بڑھ کر عبادات وطاعات کے لئے کمر کس لیتے، اہل خانہ، ازواج مطہرات، خدام ومتعلقین اور صحابہ کرامؓ کو طرح طرح سے اس فصل بہار کے لالۂ وگل سے اپنا دامن خوب خوب بھر لینے کی تعلیم وتلقین فرماتے۔اس مہینہ کی عظمت یہ کہ الکتاب العزیز کے نزول کے لئے اس کا انتخاب، بارگاہِ ایزدی سے ہوا، اس میں نوافل فرائض کے ہم پلہ اور فرائض کا درجہ ستّر گنا مستزاد۔اس کا ایک ایک لمحہ گراں قدر وگراں بہا۔رحمتِ الٰہی کی بادِ بہاری ایسی کہ ہر کہہ ومہ، نیک وبد کی مغفرت کا سامان۔اس میں بندۂ مؤمن کی طرف سے عبادات میں انہماک واشتغال، اللہ رب العزت کو اس قدر محبوب کہ اس نے خود ہی اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ، اغواءِ شیطانی واضلالِ ابلیس کا دروازہ بند کر دیا۔اس مہینہ کی خصوصی عبادت: ذکر وتلاوت، قیام اللیل و تراویح، قرآن کریم سننا اور سنانا۔روزہ ایسا مقدس، پاکیزہ اور لطیف کہ رذائل: دروغ بیانی، افتراء پردازی، بدکاری وبداطواری اور بدعملی وبے ہودہ گوئی کی ذرا سی آمیزش سے یہ آبگینہ آلودہ اور چور چور اور اس کی روح لہولہان۔ مسلمانو! خبردار، ہوشیار، مبادا تمہارے کسی عمل سے اس کے شب وروز کا تقدس پامال نہ ہو جائے۔الحذر سو بار الحذر!

✦.....❖.....✦

تقسیم در تقسیم، اختلاف در اختلاف، گروہ بندی اور جماعت سازی، ایک دوسرے کو دشنام طرازی، ملی و مذہبی، معاشرتی وسماجی زندگی میں بے جا شدت، نظریاتی انتہا پسندی، ہر مخالف کے تعلق سے عدم برداشت، عدم رواداری، تنگ نظری، دوسرے کی تضحیک وتوہین، اس کی محترم شخصیات کی تنقیص اور جا وبے جا عیب جوئی، اختلاف نہیں خلاف وعناد۔اپنوں کی ہر خامی خوبی اور ہر برائی، نیکی، جب کہ غیروں کی بابت یہ ذہن کہ ان کی قسمت میں قسام ازل کی طرف سے ہر قسم کی محرومی وبدنصیبی۔وہ ہر خیر سے عاری اور ہر شر کے پیکر مجسم۔یہ ہے ہماری موجودہ معاشرتی زندگی کی تلخ سچائی۔

ایسے حالات و ماحول میں نہ مخالف سے سلام کلام، نہ اس کے پاس آنے جانے کا کوئی سوال، نہ اس کی بات ٹھنڈے دل سے سننے، اس پر سنجیدگی سے غور کرنے، تجربات اور دلائل وشواہد کی روشنی میں اسے پرکھنے، جانچنے کی فرصت۔ خوف یہ دامن گیر کہ کہیں مخالف کے دعاوی و دلائل کے سنگ وخشت ہمارے نظریاتی و ذہنی شیش محل کو چکنا چور نہ کردیں۔ ایسا گھروندہ تعمیر کرنا جو بادِ صرصر کے ایک جھونکے سے زمیں بوس ہوجائے کہاں کی دانش مندی؟ عمارت تو وہ جو مخالفت کے طوفانوں سے ٹکرا جانے کا جگر رکھے، جھکڑوں کو حیران وششدر، واپسی کی راہ لینے پر مجبور کردے اور مخالفین کو جلد یا بہ دیر اپنا حامی وناصر اور مداح وثناخواں بنالے۔

بریلوی مکتبۂ فکر کے اعلیٰ ترین خانوادہ کے ایک باشعور فرد، مولانا توقیر رضا خاں صاحب کی ملت کی شیرازہ بندی کے مقصد سے دیوبند آمد لائقِ صد تبریک وتحسین "لکم دینکم ولی دین" وہ اپنے مسائل وعقائد کو حرزِ جاں بنائے رکھیں اور ہمیں اپنے مسائل وعقائد پر ثابت قدمی کا مکمل حق۔ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا انجام نہ ماضی میں خوش آئند رہا اور نہ مستقبل میں حوصلہ افزا رہے گا۔ اس نیک مقصد کو لے کر وہ دس بار دیوبند تشریف لائیں، یہاں ہم سو بار خیر مقدم کرنے کے لئے تیار۔ علماء دیوبند تو اس مکتبۂ فکر سے وابستہ افراد کو کافر نہیں مؤمن ہی باور کرتے تھے اور ہیں، نہ پہلے کبھی تکفیر کی اور نہ آج ہی تکفیر کے درپے۔ قادیانیت کے خلاف سابق ریاست بہاولپور (پنجاب) کی عدالت میں کشمیری الامام نے فاضل جج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "جج صاحب نوٹ کرلیجیے میں علمائے دیوبند کا نمائندہ اور ان کے فکر کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے اعلان کرتا ہوں کہ ہمارا بریلویوں اور اہل حدیث وغیرہ فرقوں سے اختلاف کفر واسلام کا نہیں، محض فروعی ہے اور یہ لوگ ہمارے نزدیک کافر نہیں، مومن ہیں۔ دوسری طرف کشمیری الامام کا یہ اعتراف کہ میری نظر میں پورے ہندوستان کے اندر مولانا احمد رضا خاں کی سی فقہی بصیرت کم ہی پائی جاتی ہے۔ یہ اور اس طرح کے بیانات واعلانات اختلاف کی خلیج کو پاٹنے اور ایک کو دوسرے سے ملانے کا کام کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مولانا توقیر رضا خاں صاحب نے ملی اتحاد کے حوالے سے جو شمع جلائی ہے، اس کی لو مدھم نہ ہونے پائے بلکہ شمع فروزاں بن کر ملت اسلامیہ ہند کے ہر گھر کو روشن کرے۔ ایسا نہ ہو کہ محض اخباری بیانات، تحسین وآفریں کے مضامین اور تبریک وتہنیت کے اعلانات تک بات محدود ہو کر رہ جائے۔ تنظیم علمائے ہند، ادارہ محدّث عصر، جامعہ امام انور شاہ اور خانوادہ الکشمیری اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے ہمہ وقت اور ہر ممکن تعاون کے لئے بہ صد شادمانی تیار ہے۔ یہی وقت کی آواز ہے اور حالات کا تقاضا۔ ملت کے ہر طبقہ کی دلی خواہش اور جذبۂ درون۔ **فھل من مدّکر!**

اس موقع پر یاد دلاتا چلوں کہ اب سے کوئی عرصہ نو دس سال پہلے بریلوی طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کی نماز جنازہ کسی دیوبندی امام مسجد نے پڑھادی، میت کی تدفین کردی گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس۔

ایک روز بعد جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے استاذ مفتی عبدالمنان نعیمی کا یہ جذباتی فتویٰ کہ لاش نکال کر دوبارہ نماز پڑھی جائے اور دوسری جگہ دفن، نیز یہ کہ جنازہ کے تمام شرکاء تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کریں۔ اس فتویٰ پر میڈیا میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ مفتی عبدالمنان نعیمی نے ٹی وی پر مباحثہ کا چیلنج کر دیا۔ والد صاحب (حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ) حیات تھے، مباحثہ کے لئے آمادہ ہوگئے۔ نعیمی صاحب کی وہی پرانی ہٹ اور رٹ کہ تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، المہند وغیرہ وغیرہ کتابیں نذر آتش کردی جائیں، دیوبندیوں سے سلام ومصافحہ حرام، کاروباری شراکت داری معصیت، شادی وبیاہ گناہ۔ والد صاحب کا یہ اصرار کہ یہ وقت اس طرح کی باتوں، فتویٰ بازیوں اور مسلمانوں میں انتشار برپا کرنے کا نہیں بلکہ اتحاد وتعاون پیدا کرنے، باہمی نفرتوں کو دور کرنے، قربت والفت پیدا کرنے اور متحد ہوکر مسلمانوں کے خلاف سیاسی اور اقتصادی حوالے سے رچی جانے والی سازشوں کا مقابلہ کرنے اور تعلیمی، سیاسی واقتصادی حوالے سے مسلمانوں کو مضبوط ومستحکم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ حضرت والد صاحب کی ان باتوں کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد خود بریلوی عوام نے مفتی عبدالمنان نعیمی کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ آج جب نبیرۂ اعلیٰ حضرت جیسی نمائندہ شخصیت نے ملی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی اتحاد کی پیشکش کی ہے تو ہم نہ صرف اس کی تحسین کرتے ہیں، بلکہ اسے ایک اہم تاریخی اقدام تصور کرتے ہوئے اس کی بھرپور تائید وحمایت کا اعلان بھی کرتے ہیں۔

✦.....❖.....✦

نام نہاد دہشت گردی کی روک تھام کے لئے ملک میں کئی ایک ایجنسیاں سرگرم عمل۔ ان میں اے ٹی ایس (اینٹی ٹیری ریزم اسکواڈ یا دہشت گردی مخالف دستہ) اور آئی اے (نیشنل انویسٹی گیشن ایجنسی یا قومی تفتیشی ایجنسی) سرفہرست ہیں۔ یہ ایجنسیاں گزشتہ ۲۲-۲۵ سالوں سے سیمی، حزب المجاہدین، انڈین مجاہدین، القاعدہ، لشکر طیبہ، جیش محمد اور اب داعش سے تعلق رکھنے کے الزام میں سینکڑوں مسلمانوں کو گرفتار کرچکی ہیں۔ ہم اس وقت سے یہ کہتے آرہے ہیں کہ ان میں سے ۹۸ فیصد لوگ بے گناہ ہیں اور عدالتوں میں ان کے مقدمات کی پیروی کے بعد درجنوں قیدیوں کی سزاؤں میں تخفیف یا مکمل براءت کے فیصلہ سے، ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ مگر یہ ایجنسیاں ہیں کہ مسلمانوں کو یکے بعد دیگرے ملک کے مختلف حصوں سے مسلسل گرفتار کررہی ہیں، نہ ان اہل کاروں سے کوئی باز پرس، نہ سزا، نہ جرمانہ اور تاوان اور نہ ان کی سرگرمیوں پر کوئی روک ٹوک۔ ایک طرف سابق وزیراعظم منموہن سنگھ سے لے کر موجودہ زعفرانی وزیراعظم مودی اور خود کو معتدل مزاج سمجھنے والے بھاجپائی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ کا یہ اعلان کہ ہندوستان کا مسلمان دہشت گرد نہیں، بلکہ اس کی مذمت کرتا ہے اور دوسری طرف اُس وقت سے لے کر آج تک دہشت گردی کے نام پر نہ رکنے والا گرفتاریوں کا یہ سلسلہ؟ عقل ہے محو تماشہ کہ اسے کیا کہئے؟

۲۰۰۸ء میں مالیگاؤں بم دھماکوں کے سلسلے میں پہلے مسلمانوں ہی کو مورد الزام ٹھہرایا گیا، بعد میں جب تحقیقات سیکولر مزاج افسر ہیمنت کرکرے کو سپرد کی گئیں تو معاملہ کچھ دوسرا ہی نکلا۔ رام سینا اور ابھینو بھارت جیسی ہندو دہشت پسند تنظیموں کا ان میں کردار سامنے آیا۔ اسی تناظر میں سمجھوتہ ایکسپریس میں ہوئے بم دھماکے کی تفتیش بھی کرکرے کو سونپ دی گئی۔ اس میں بھی ہندو دہشت گردوں ہی کی کارستانی سامنے آئی۔ پرگیہ سنگھ ٹھاکر اور اس وقت کے حاضر سروس فوج کے کرنل پروہت جیسے خوفناک دہشت گرد گرفتار کر لئے گئے۔ مرکز میں آر ایس ایس کی سیاسی تنظیم بی جے پی کی قیادت والی حکومت شروع سے ہی ان ہندوؤں کے تئیں نرم گوشہ رکھتی تھی۔ اب اس کے دباؤ میں این آئی اے نے پرگیہ سنگھ کا نام ہی چارج شیٹ سے خارج کر دیا، جب کہ کرنل پروہت سے مکوکا ہٹا دیا۔ طرفہ تماشا یہ کہ مالیگاؤں بم دھماکوں کے لئے اے ٹی ایس کے ذریعہ مجرم قرار دیئے گئے باقی چار لوگوں کا رشتہ ہندوستانی پنجاب کی آزادی کے لئے کوشاں ممنوعہ تنظیم ببر خالصہ انٹرنیشنل سے جوڑ دیا۔ دنیا جانتی ہے کہ خالصتان کے لئے تحریک سکھ قوم سے وابستہ کچھ لوگ چلاتے رہے ہیں، اس میں کوئی ہندو، مسلمان یا عیسائی نہ شامل رہا اور نہ ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ این آئی اے نے ان مسلمانوں کے خلاف اس قسم کی ''ایماندارانہ محکمہ جاتی'' کارروائی کر ان کا نام چارج شیٹ سے کیوں نہیں نکالا؟ جو عدالتوں کے ذریعہ بری کر دیئے گئے۔ اس سے نہ صرف عقیدہ و مذہب کی بنیاد پر شہریوں کے درمیان امتیاز برتنے کی ظالمانہ پالیسی سمجھ میں آتی ہے بلکہ ان ایجنسیوں پر سے عوام کا اعتماد بھی ختم ہو رہا ہے۔

اس تناظر میں گذشتہ دنوں یہ خوف ناک خبر بعض ذرائع سے سامنے آئی کہ قومی سیکورٹی کے مشیر نے بھوپال میں سپریم کورٹ کے تمام محترم جج صاحبان کو جمع کر ان سے کچھ خصوصی گفتگو کی۔ ذرائع کے مطابق قومی سیکورٹی کے مشیر نے ان پر زور دیا کہ ایجنسیاں جن لوگوں کو گرفتار کر رہی ہیں وہ ان کے مقدمات کی پیروی کے دوران قومی سلامتی کے امور کو ضرور پیش نظر رکھیں اور اس کے بعد ہی کسی بھی سزا میں تخفیف یا براءت کا فیصلہ کریں۔ اپنے آپ میں مشیر قومی سلامتی کا یہ قدم ملک کی آزادی کی تاریخ میں منفرد اور انتہائی افسوس ناک ہے۔ ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ آئین کی رو سے جج صاحبان کو مقننہ کا کوئی فرد کسی جگہ بلا کر انہیں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ حکومت اکثریتی طبقہ کی مذہبی تشنگی کے حوالے سے ہوا بلا کرنے کے بجائے سنجیدگی کے ساتھ آئین و قانون پر عمل درآمد کو یقینی بنائے اور ترقیاتی ایجنڈوں کو بغیر کسی تفریق کے پورے ملک میں نافذ کرے تاکہ ملک کا ہر باشندہ ترقی کی اس دوڑ میں شامل اور اس سے مستفید ہو سکے۔

✦.....✦.....✦

مشکلات القرآن

❖ **تصنیف** : امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

ترجمہ : محترم مولانا محمد مزمل بدایونی / استاذ دار العلوم دیوبند

۶-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم أمواتاً فأحیاکم ثم یمیتکم'' الآیۃ (بھلا کیوں کر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالاں کہ تھے تم محض بے جان سو تم کو جاندار کیا، پھر تم کو موت دیں گے، پھر زندہ کریں گے، پھر انہیں کے پاس لے جائے جاؤ گے)

۶-(اس آیت کے ذیل میں حضرت کشمیری علیہ الرحمہ نے تفسیر فتح العزیز سے ایک اقتباس نقل کیا ہے اس کو سمجھنے کے لئے قدرے وضاحت کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ آیت کریمہ ''ثم یحییکم'' کو جمہور مفسرین نے اس حیات پر محمول کیا ہے جو قیامت کے بعد حشر کے دن انسان کو دی جائے گی لیکن بعض مفسرین نے اس کو حیات قبر پر محمول کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حیات حشر کا بیان ''ثم الیہ ترجعون'' میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا بعض مفسرین کی یہ رائے درست ہے؟ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اس رائے کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر اس رائے کو درست مانا جائے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی یا تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ جب قبر میں حیات دی جا چکی تو حشر میں دوبارہ زندہ کئے جانے کا مطلب؟ اس سے تو باحیات کو حیات دینا لازم آتا ہے جو یقیناً خلافِ عقل اور باطل ہے یا پھر یہ کہا جائے کہ حیات قبر کے بعد پھر موت دی جائے گی اور پھر حشر میں حیات ہوگی تو یہ خلاف اجماع ہوگا کیوں کہ قبر اور حشر کے درمیان موت آنے کا کوئی قائل نہیں ہے، اس لئے ''ثم یحییکم'' کو حیات قبر پر محمول کرنا درست نہیں ہے، پھر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ قبر میں حیات درحقیقت نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:)

''بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی ہیں روح کا بدن سے تعلق ہونا اور قبر میں روح کا بدن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے بلکہ روح کے بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی روح والا شعور اور ادراک بدن کے ساتھ باقی رہتا ہے، اسی کو حیات سے تعبیر کر دیتے ہیں۔''

۷-ارشاد خداوندی ''ثم استویٰ الی السماء فسوّٰھن سبع سمٰوات'' (پھر توجہ فرمائی آسمان کی

طرف، سودرست کر کے بنادیے ان کو سات آسمان) آسمان کی درستگی اور زمین کا بچھانا دونوں کے جوہر کو ایک ساتھ جمع کرنے کے بعد ہوا ہے، اس لئے آسمان کی درستگی کو زمین کے بعد کہنا یا زمین کے بچھانے کو آسمان کے بعد کہنا دونوں ہی صحیح ہے۔

۷-حضرت کشمیریؒ نے اس مختصر سے نوٹ میں ایک تفسیری بحث کا حل اور ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں زمین کی تمام چیزوں کی تخلیق ہوجانے کے بعد آسمانوں کا بنایا جانا مذکور ہے اور سورہ نازعات میں "**والأرض بعد ذٰلك دحٰها**" آیا ہے (اور اس کے بعد زمین کو بچھایا) اس آیت میں آسمان کو پہلے بنانا اور اس کے بعد زمین کو بچھانا مذکور ہے۔ اب ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو رہا ہے۔ حضرت نے اس تعارض کے حل کی طرف رہنمائی کی ہے، پھر یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت سے زمین کی تمام چیزوں کی تخلیق پہلے اور آسمان کی تخلیق اس کے بعد معلوم ہوتی ہے جب کہ یہ بداہت کے خلاف ہے، اس لئے کہ زمین میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود آسمانی چیزوں مثلاً کواکب وغیرہ کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے تو جب آسمان کی تخلیق پہلے نہ ہو تو زمین کی تمام چیزوں کا وجود کیسے ہوگا؟ جو "**خلق لكم مافى الارض جميعاً**" سے سمجھ میں آتا ہے۔ حضرت کشمیریؒ نے دفع تعارض کے ساتھ ساتھ اس شبہ کا ازالہ بھی کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین وآسمان کا جوہر وخمیر تو باری تعالیٰ نے ایک ساتھ جمع کرلیا، پھر تخلیق ہوئی اس لئے آسمان کی تخلیق پہلے اور زمین کی تخلیق بعد میں بتائی جائے تب بھی صحیح ہے اور اگر اس کے برعکس کہا جائے تب بھی صحیح ہے۔ اس لئے تقدیم وتاخیر کا تعارض یا خلاف بداہت کا شبہ نہیں ہونا چاہئے! واللہ اعلم

اس تعارض کے دفع اور شبہ کے ازالے کے لئے بیان القرآن اور معارف القرآن ادریسی سے بھی مراجعت فرمائیں، ان میں اچھی توجیہات پیش کی گئی ہیں۔ (محمد مزمل)

۸-قولہ تعالیٰ "**و إذ قال ربك للملئكة انى جاعل فى الارض خليفة**" (اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب) اس ارشاد باری میں اللہ پر ایمان کے بعد نبوت کا مسئلہ مذکور ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسا بندہ بھیجیں گے جس کی اطاعت فرض ہوگی اور یہ کہ اللہ کی اطاعت وہی معتبر ہوگی جو اللہ کے ہی حکم سے غیر اللہ کی اطاعت کے ذریعہ ہو اور وہ (اطاعت غیر) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے حق میں فاصلہ اور واسطہ ہوگی، یہی معنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد "**اطيعوا الله و اطيعوا الرسول**" اور "**الا ليطاع**" کے ہیں اور قرآن کریم سے ہی اخذ کر کے انہیں دونوں چیزوں کو الگ سے ظاہر کرنے کے لئے "**قل ومن يعص الله ورسوله**" والی حدیث آئی ہے اور شاید اپنی عقل کے تقاضے سے کسی کی اطاعت خود اپنے نفس کی اطاعت ہوگی (کہ اپنی عقل ونفس نے جس کی اطاعت سمجھا دی اسی کی اطاعت میں لگ گئے) اور غیر اللہ

کی اطاعت کی پہچان ذات مطاع کے حکم سے ہوگی اور اس آیت میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ حسن و قبح شرعی ہے یا عقلی؟ نیز شہرستانی کے ذکر کے مطابق اس میں عدل و جور اسماء و احکام اور وعد وعید کا بھی بیان ہے اور اس میں خیر و شر کی تقدیر کا نیز اس بات کا بیان ہے کہ (ہر چیز) کی انتہا اللہ تعالیٰ کے علم پر ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اسماء سکھائے اور یہ کہ شرف، بندگی اور رجوع الی اللہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں ہوسکتا اور بندوں سے ہر چیز کا سوال کیا جائے گا اور اس میں ایجاب و اختیار کا مسئلہ اور مراحم خسروانہ و شاہانہ کا بیان ہے اور یہ آخری تدبیر ہے جو ہر گناہگار کو حاصل ہوں گی کیوں کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لئے ہوئے ہے اور اس میں تمام لوگوں کے مقابل انبیاء کرام کی فضیلت کا بیان ہے اور قرآن کریم کے معجزات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مؤثر اوصاف ذکر کر دیتا ہے اور ان پر عمل کی صورت حدیث شریف کے حوالے چھوڑ دیتا ہے، پھر وہ اوصاف نہ صرف یہ کہ اعتقاد کے اعتبار سے ظہور پذیر ہوتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں عملی حیثیت سے بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ "**و اقم الصلوٰۃ لذکری**" اور حدیث شریف "**فانه لا صلاة لمن لم يقرأ بها**" میں ہوئے ہیں۔

۸-صاحب افاداتؒ نے اس آیت کے ذیل میں جن طویل اور دقیق بحثوں کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی تفصیل راقم کی نظر میں اس ترجمے کے ساتھ چنداں مناسب نہیں ہے اس کے لئے تو مستقل ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق ارزانی فرمائی تو انشاء اللہ قارئین کی خدمت میں آئندہ کسی موقع پر پیش کیا جائے گا۔ (محمد مزمل)

۹-ارشاد خدا تعالیٰ "**انی اعلم مالا تعلمون**" (میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے) انسانی اعضاء و جوارح پر۔۔۔ جو انسان کے لئے عالم کائنات اور عالم وجود و شہود کے درجے میں ہیں۔۔۔ اقوال و افعال میں سے جو چیز بھی ظاہر ہوتی ہے سب سے پہلے اس کا وجود روح کے درجے میں ہوتا ہے جو غیب الغیب سے بھی اوپر کا درجہ ہے (انتہائی مخفی اور پوشیدہ کہ اس تک رسائی قدرت انسانی سے باہر ہے) پھر اس کا وجود دل میں ہوتا ہے جو غیب الغیب کا مرتبہ ہے، پھر قوائے نفسانیہ میں وجود ہوتا ہے جو انسان کے لئے سب سے ادنیٰ غیب اور اس کے لئے "آسمان دنیا" کا مقام رکھتے ہیں، اس کے بعد وہ چیز (قول و فعل) اعضاء و جوارح پر ظاہر ہوتی ہے۔

۹-اس آیت کے تحت حضرت علامہؒ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ بہت اختصار لئے ہوئے ہے، اس کو سمجھنے کے لئے وضاحت ناگزیر ہے وہ یہ کہ بعض صوفیاء کرام کا کہنا یہ ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی نو پیدا اور رونما ہوتی ہے تو پیدا ہونے سے پہلے اس کی ایک صورت "عالم قضا" میں وجود پذیر ہوتی ہے پھر "لوح محفوظ" میں وجود پاتی ہے اور اس کے بعد "لوح محو و اثبات" میں موجود ہوتی ہے، اسی لوح محو و اثبات کو شریعت میں عام طور پر "آسمان دنیا" کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے

اب سنئے کہ آیت کریمہ "**و اذ قال ربك للملئكة**" پر ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہیں تو انہوں نے فرشتوں سے خلیفہ مقرر کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیوں کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ فرشتوں کے مشورے

کے محتاج ہیں؟ نعوذ باللہ۔ اس کے مفسرین نے کئی تشفی بخش جواب دیئے ہیں اور مذکورہ صوفیاء کرام نے بھی ایک جواب دیا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ فرشتوں سے کوئی کلام، اظہار اور مشورہ نہیں ہوا بلکہ ارادۂ الٰہی مذکورہ تینوں مراتب (عالم قضا، لوح محفوظ اور لوح محمود اثبات) میں متصور ہوا بس اسی پر فرشتوں نے اپنا مشورہ پیش کردیا، پھر ان صوفیا نے اپنی اس بات کو بندوں کے اعمال واقوال سے مثال دے کر واضح کرنا چاہا ہے کہ بندوں کے اعضاء وجوارح ان کے لئے عالم وجود وشہود (دنیا) ہیں اس دنیا میں (اعضاء وجوارح پر) انسان کے اقوال واعمال وجود پذیر ہوتے ہیں لیکن اس سے پہلے وہ اقوال وافعال مقام روح میں موجود ہوتے ہیں (جو انسان کے لئے عالم قضا کے درجے میں ہے) اس کے بعد دل میں (جو لوح محفوظ کے درجے میں ہے) اور پھر قوائے نفسانیہ میں (جو لوح محمود واثبات یعنی ''آسمان دنیا'' کے درجے میں ہے) متصور ہوتے ہیں اور اب اعضاء وجوارح (انسان کے عالم وجود وشہود) پر ظاہر ہوتے ہیں، اعضاء وجوارح پر ظاہر ہونے سے پہلے والے تینوں درجے انسان کے لئے غیب ہیں، پہلا درجہ (درجہ روح) غیب الغیب سے بھی بلند ہے اور دوسرا مرتبہ (مرتبہ قلب) غیب الغیب ہے جب کہ تیسرا درجہ (مقام قوائے نفسانیہ) ادنیٰ غیب اور ''آسمان دنیا'' ہے، انسان ان تینوں کو نہیں جانتا ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط میں ہر مقام ومرتبہ ہے، اسی لئے فرمایا ہے: ''میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔'' واللہ اعلم (محمد مزمل)

۱۰- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وعلّم آدم الأسماء كلها'' (اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے اسماء کا) اور مسمیات کی حقیقتیں ذکر نہیں کیں تو کچھ کا علم دیا اور کچھ کا علم نہیں دیا، کیوں کہ مسمیات تو اللہ تعالیٰ کے قول ''هـؤلاء'' (کا مشارالیہ) ہیں ص۶۴۴، ج۲، لیکن جس نے کلام الٰہی ''ثم عرضهم على الملئكة'' (پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کردیں) سے سمجھا اور ''هؤلاء'' سے اشارہ کیا تو گویا کہ وہ عدم استغراق کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہاں اسماء سے وہ اسماء الٰہیہ مراد ہیں جن پر وہ ذوات و اشیاء سہارا لئے ہوئے ہیں جن کی طرف ''هؤلاء'' سے اشارہ ہے ص۳۶۷، ج۳ یعنی بعض کا علم دیا اور وہ اسماء ہیں اور بعض کا یعنی مسمیات کا علم نہیں دیا ص۳۵۴، ج۳ وص۶۴۴، ج۲ وص۵۳۷، ج۳ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں تجلی فرماتے ہیں جیسا کہ (حدیث میں) وارد ہے تو وہ اس سورت میں حسی اور معنوی دونوں طرح ظہور پذیر ہوتے ہیں الخ ص۳۷۰و۳۷۴، ج۳ اور اس کی علت ص۳۱۱ اور ۶۶۵، ج۳ پر مذکور ہے۔

اور جب کہ اسماء الٰہیہ میں عام واعم اور خاص واخص بھی ہیں تو ان میں تقدم وتاخر اور ترتیب بھی صحیح ہوگی اور اسی وجہ سے وجود کی شیئیات نے ترتیب قبول کی ہے ص۳۷۰و۲۳۱، ج۳ وص۲۹۴، ج۲ کیوں کہ وہ حقیقی ترتیب ہے صرف ذکر ووضع کے طور پر نہیں ہے ص۴۰۸و۶۱۷، ج۲ وص۹۷و۱۵ ج۲۔ اس لئے کہ تمام چیزوں میں اصل معانی ہی ہیں اور وہ بالذات غیبی اور معقول ہوتے ہیں اور وہ معانی ہی رہتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر ایک

(حس، خیال وغیرہ) کے سامنے اسی کے مطابق بدلتے رہتے ہیں ص ۸۹۵، ج ۲ وص ۶۸، ج ۲ عقد، قول اور عمل شریعت کے ہر حکم میں ہوتا ہے اور وہی ایمان ہے ص ۸۹۸، ج ۲ وص ۷۳۷، ج ۲ وص ۱۱۰، ج ۲۔ یقیناً جسم روحوں میں آخری پیدائش میں لپٹ جاتے ہیں ص ۸۸۵، ج ۲ وص ۶۱۴، ج ۳۔

۱۰-صاحب افادات حضرت کشمیریؒ نے اس آیت شریفہ کے تحت انتہائی اختصار کے ساتھ جو اشارے کئے ہیں اور جو حوالہ جات کثرت سے دیے ہیں، جب تک ان حوالوں تک رسائی نہ ہو اور ان مضامین کی مکمل تشریح و توضیح نہ کی جائے اس وقت تک ان کی حیثیت ایک چیستاں سے زیادہ نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ کتاب کا نام مذکور نہیں ہے جامع افادات حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوریؒ نے بھی حاشیہ میں صرف یہ لکھا ہے کہ:

''شاید یہ تمام حوالے شیخ اکبر قدس سرہٗ کی فتوحات مکیہ کے ہیں۔''

اللہ کرے ان حوالوں تک پہنچنے کی کوئی راہ نکلے اور یہ مضامین وضاحت کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاسکیں۔ (محمد مزمل)

۱۱-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وما کنتم تکتمون'' (اور جس کو دل میں رکھتے ہو) اور خدمت کرنا۔

۱۱-یعنی جو بھی صلاحیتیں اور افعال تم اپنے اندر پوشیدہ رکھتے ہو اور ان پر خود بھی بالکل واقفیت نہیں رکھتے کہ ہمارے اندر صلاحیتیں اور اعمال (اللہ نے) پیدا کر دیئے ہیں مثلاً: رحم مادر میں انسان کی شکل وصورت بننا مساجد کی خدمت، ذکر الٰہی کی محبت، صلحا واتقیاء کے متبرک مقامات پر حاضری، حجاج ومجاہدین کی نصرت واعانت، قہار، غفار، جبار اور ان جیسے اسماءِ الٰہیہ کے مظاہر کا تماشا، زندوں کی جانب سے مردوں کو ثواب اور تحفوں کا پہنچانا، اعمال خیر کی ترقی کے فوائد، راہِ خدا کے رہروں کو ترقی دینا اور ان کی خدمت کرنا، عالم مثال میں وہ تجلیات حضوری جو اس خلیفہ کی کامل اولاد کو حاصل ہوں گی۔ وحی اور کتب الٰہیہ کا نازل ہونا، شرائع وادیان، ملل ومذاہب اور تصوف کی راہوں کو قائم کرنا وغیرہ (وہ بے شمار صلاحیتیں اور طاقتیں ہیں) جو تمہارے اندر بالقوۃ موجود ہیں (اور جنہیں ہم جانتے ہیں تم ان سے واقف نہیں ہو اور تمہارے لئے) ان چیزوں سے وقف ہونا ہم نے اس خلیفہ کے وجود پر موقوف رکھا ہے کہ اس خلیفہ کے واسطے سے ہم ان چیزوں سے تمہیں آگاہ کریں گے اور تم اس خلیفہ کی خدمت بجالا کر ان مخفی صلاحیتوں اور معنوی کمالات کو بروئے کار لاسکو گے، جب یہ خلیفہ وجود پذیر ہوگا اور تمہیں ان چیزوں سے مطلع کرے گا کہ کیسی کیسی صلاحیتیں تم اپنے اندر سموئے ہوئے ہو تو اس خلیفہ کا تمہارے اوپر احسانِ عظیم ہوگا کہ اس نے تمہیں اپنی حیثیت وحقیقت سے آگاہ کر دیا اور وہ خلیفہ تمہارے لئے بارگاہِ خداوندی میں زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بن گیا تو اب تم پر لازم ہوگا کہ اپنا استاذ اور رہبر ورہنما سمجھتے ہوئے اس کی تعظیم بجا لاؤ اور اس کا احترام کرو۔ (فتح العزیز، ص ۱۷۰) ✦.....✦.....✦

نبی کریم ﷺ کے ہم پر حقوق

شیخ عادل بن علی، سعودی عرب

یہ امر واقعہ ہے کہ اللہ رب العزت والجلال نے نبی ﷺ کی بعثت کا ازلی فیصلہ فرما کر ہم کو اعزاز بخشا اور آفتابِ رسالت کے طلوع وظہور سے ہم ممنونِ احسان ہوئے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان کیا جب کہ انہی میں سے ان میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اس سے قبل وہ لوگ گمراہی میں تھے۔''

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم پر بہت سے حقوق ہیں جن کی ادائیگی کا اہتمام ہمارے لئے ضروری ہے، ان حقوق کو ضائع کرنا اور ادائیگی حقوق میں غفلت ولاپرواہی برتنا قطعاً قابلِ تحمل نہیں۔

پہلا حق: آپ ﷺ پر ایمان لانا : نبی ﷺ کا سب سے پہلا حق آپ پر ایمان لانا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا ہے۔ جو شخص آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور آپ کو خاتم النبیین والمرسلین تسلیم نہ کرے تو وہ کافر ہے، اگرچہ وہ سابقہ تمام ہی انبیاء پر ایمان لا چکا ہو، ان کی رسالت کی تصدیق وتوثیق کر چکا ہو۔ قرآن پاک میں شکوک سے بالاتر ہو کر آپ ﷺ کو نبی مرسل ماننے کی متعدد آیات وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْ اَنْزَلْنَا ''تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے'' (التغابن:۸)

ایک دوسرے مقام پر فرمان باری ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا ''مؤمنین تو ہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے، پھر انہوں نے شک نہیں کیا۔'' (الحجرات:۱۵)

اللہ تعالیٰ نے صاف صاف الفاظ میں بتا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنا ہلاکت اور دردناک عذاب کا سبب ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ''اس بنا پر ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا

ہے تو بالیقین اللہ تعالیٰ (اُسے) سخت سزا دینے والے ہیں۔'' (الانفال)

نبی ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس امت میں جس کسی نے میری رسالت کے سلسلے میں سنا خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی پھر وہ میری رسالت تسلیم کئے بغیر مر جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔'' (رواہ مسلم)

دوسرا حق آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی: نبی ﷺ کی اتباع ہی آپ پر ایمان لانے کی حقیقی دلیل ہے، جو شخص آپ ﷺ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے، پھر آپ کے حکم سے سرتابی کرے، ممنوع وحرام چیزوں سے باز نہ آئے تو وہ ایمان کے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیوں کہ ایمان تو وہ چیز ہے جو دل میں اتر جائے اور اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال اس کی تصدیق کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ رحمت خداوندی کے مستحق صرف اطاعت شعار وفرماں بردار بندے ہی ہیں۔ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ. فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ. ''میری رحمت تمام چیزوں کو وسیع ہے اور میں رحمت ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور نبی امی کی اتباع کرتے ہیں۔'' (الاعراف)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے روگردانی کرنے اور آپ کی مخالفت کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے، چنانچہ فرمایا: فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْم. ''جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو کہ بواسطہ نبی ﷺ پہنچا ہے) مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آپڑے یا انہیں (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب (نہ) نازل ہوجائے۔'' (النور)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ہدایت کو خوش دلی سے قبول کرنے کی تاکید کی ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. ''قسم ہے آپ کے پروردگار کی یہ لوگ ایمان والے نہ ہوں گے جب تک کہ یہ اپنے مختلف فیہ امر میں آپ سے فیصلہ نہ کرالیں، پھر آپ کے اس فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر سپرد کردیں۔'' (النساء)

تیسرا حق آپ ﷺ سے محبت کرنا: امت پر آپ ﷺ کے حقوق میں سے ایک حق آپ سے کامل ومکمل اور اعلیٰ درجہ کی محبت کرنا ہے، آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا ہے ''تم میں سے کوئی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے بچہ، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ

ہوجاؤں۔'' (متفق علیہ) تو جس کا قلب حُب نبی ﷺ سے عاری وخالی ہو وہ کامل مؤمن ہے ہی نہیں؛ اگرچہ اس کا نام مؤمنوں جیسا ہو اور وہ ان ہی کے درمیان رہتا ہو اور آپ سے غایت محبت کی علامت یہ ہے کہ مؤمن اپنی جان ومال سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو چاہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بارگاہ نبوت میں عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ مجھے میری جان کے علاوہ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں، پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرؓ! اب (تمہارا ایمان کامل ہوگیا)'' (رواہ البخاری)

چوتھا حق آپ ﷺ کی مدد و نصرت کرنا : یہ آپ ﷺ کی زندگی اور وفات کے بعد عائد ہونے والے حقوق میں سب سے تاکیدی حق ہے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں صحابہ کرامؓ نے اس کار خیر کو بخوبی انجام دیا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی مدد ونصرت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت کی اس وقت حفاظت کرنا جب طعنے باز طعنے کس رہے ہوں، جاہلوں کے ہاتھوں آپ کی سنتیں پامال ہورہی ہوں اور باطل پرست غلط باتیں آپ کی طرف منسوب کررہے ہوں، اسی طرح آپ ﷺ کی معزز شخصیت کا اس وقت دفاع کرنا جب کوئی آپ کا تذکرہ برائی یا تمسخر کے ساتھ کررہا ہو، یا آپ کے بلند مقام پر کیچڑ اچھال رہا ہو، عصر حاضر میں پیغمبر ﷺ کی مبارک ہستی کو مجروح کرنے کے واقعات بکثرت رونما ہورہے ہیں، اس لئے پوری امت پر اپنے تمام تر اختیاری وسائل و ذرائع اور طاقت وقوت کے ذریعہ نبی ﷺ کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہونا لازم وضروری ہے تاآں کہ یہ لوگ کذب بیانی، بہتان تراشی وافتراء پردازی سے باز آجائیں۔

پانچواں حق آپ ﷺ کے دعوت کی نشر و اشاعت : بالیقین رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم روئے زمین کے تمام ممالک میں آپ ﷺ کے دین کی تبلیغ وترسیل اور اسلام کے نشر و اشاعت میں سرگرم رہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری جانب سے لوگوں میں تبلیغ کرو، اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔ (بخاری) اور ایک دوسرے مقام پر نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تمہارے ذریعہ ہدایت سے سرفراز فرمائیں یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' (متفق علیہ)

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ بروز قیامت سابقہ امم کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کریں گے''۔ دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینا اور لوگوں کا مشرف بہ اسلام ہونا امت کے بڑھنے کے اسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کو انبیاء ورسل اور ان کے متبعین کا فریضہ قرار دیا ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى

اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ. (یوسف:۱۰۸) امت کو چاہئے کہ وہ اپنے فریضہ کو مضبوطی سے تھام لے، جس مقصد کے لئے اللہ نے ان کو مبعوث فرمایا اور فریضہ دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتقدس کا فرمان ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ. ''تم بہترین جماعت ہو، جو لوگوں کی منفعت کے لئے بھیجی گئی ہو، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آلِ عمران:۱۱۰)

چھٹا حق آپ ﷺ کی زندگی اور وفات کے بعد آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرنا: یہ بھی آپ ﷺ کا ایک حق ہے جس میں اکثر لوگوں نے کوتاہی سے کام لیا۔ ارشادِ باری ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا. لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ. وَ تُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا. ''بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہ خوش خبری دینے والا، ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس کی تعظیم وتکریم کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح وتحمید کرو۔'' (الفتح)

ابن سعدیؒ فرماتے ہیں کہ تعزروا الرسول و توقروہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتکریم کرو اور ان کے حقوق بجالاؤ جیسا کہ ان کا تم پر احسان ہے۔

اصحاب نبی ﷺ آپ کی خوب تعظیم وتکریم کرتے اور بڑی عزت کرتے تھے، جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو وہ اپنے سروں کو آپ کے سامنے ایسے جھکا لیتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. ''اے ایمان والو! تم نبی ﷺ کے سامنے اپنی آواز کو بلند مت کرو، نہ ان سے ایسے کھل کر بات کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔'' (الحجرات)

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا بخدا! میں آپ سے رازدار بھائی کی طرح بات کروں گا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی تعظیم وتکریم یہ ہے کہ آپ کی سنت کی اتباع، آپ کے حکم کی تعظیم اور اسے قبول کرنا، احادیثِ مبارکہ کا ادب کرنا، کسی رائے یا مذہب کی بنا پر آپ کے فرمان کی مخالفت نہ کرنا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا حکم واضح و ظاہر ہو جائے تو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ کسی کے قول کی وجہ سے اس کو چھوڑ دے۔

ساتواں حق جب جب بھی آپ کا تذکرہ ہو آپ ﷺ پر درود پڑھنا: اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا پابند بنایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ. یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. ''بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجو۔'' (الاحزاب)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (رواہ مسلم)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت لوگوں میں وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوں گے جنہوں نے مجھ پر کثرت سے درود بھیجا۔ (ترمذی)

درود نہ بھیجنے کو بخل سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود وسلام نہ بھیجے۔ (رواہ احمد والترمذی)

اگر مسلمان رسول اللہ ﷺ کا ذکر سنے پھر آپ پر درود وسلام بھیجنے میں بخل سے کام لے تو یہ ظلم ہے۔

امام ابن قیم نے اپنی کتاب ''**جلاء الافهام فی الصلوٰة والسلام**'' میں آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے بہت سے فوائد بیان کئے ہیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

آٹھواں حق آپ ﷺ کے دوستوں سے محبت کرنا اور دشمنوں سے بغض رکھنا :باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآئَهُمْ اَوْاَبْنَآئَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْعَشِيْرَتَهُمْ. اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ. ''تم کبھی ایسی قوم کو نہیں پاؤ گے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، وہ محبت رکھتی ہو ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا ان کے قبیلے والے ہوں، ایسے ہی لوگوں کے قلوب میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور ان کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دی۔'' (المجادلہ:۲۲)

آپ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صحابہؓ سے دوستی ومحبت کریں، ان کے حق کو پہچانیں، ان کی تعریف و توصیف کریں، ان کی اقتدا و پیروی کریں، ان کے لئے استغفار کریں، ان کے آپسی اختلافات سے خود کو دور رکھیں اور اُس شخص سے دشمنی رکھیں جو اُن سے دشمنی کرے یا ان کو گالی گلوج کرے یا ان میں سے کسی کی بے آبروئی کرے طعن وتشنیع کرے، اسی طرح اہل بیت سے محبت ومودت کا معاملہ رکھیں، ان کا دفاع کریں اور ان کے سلسلے میں غلو ومبالغہ آرائی سے پرہیز کریں۔ ایسے ہی آپ ﷺ سے محبت ہی کا تقاضا ہے کہ علماءِ اہل السنۃ سے محبت و تعلق رکھیں اور ان کی تنقیص وتحقیر اور بے عزتی سے اجتناب کریں۔

✦.....✦.....✦

اعتدال ومیانہ روی وقت کی اہم ضرورت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، حیدرآباد

ایک اہم اور قابل امر توجہ امر اعتدال ومیانہ روی ہے، اللہ تعالیٰ کی کتنی ہی قیمتی نعمت ہو، لیکن اگر وہ حد اعتدال سے گزر جائے تو انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے، ہوا کے بغیر انسان دو گھڑی زندہ نہیں رہ سکتا، لیکن یہی ہوا اگر طوفان کی شکل اختیار کرلے تو آبادیوں کو ویران کر کے رکھ دیتی ہے، پانی انسان کے لئے بقاءِ حیات کا ذریعہ ہے ''وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ'' (انبیاء:۳۰) لیکن یہی پانی اگر سیلاب بلا خیز بن کر شہروں اور بستیوں میں گھس آئے تو ہنستی کھیلتی بستیوں کو قبرستان اور ماتم کدہ میں تبدیل کر دیتا ہے، آگ کی مدد لئے بغیر ایک وقت کا کھانا نہیں پکایا جاسکتا، لیکن یہی آگ اگر آتش فشاں کی صورت اختیار کرلے تو قیامت برپا ہوجاتی ہے، بے اعتدالی جیسے مظاہر قدرت کے لئے تباہی وبربادی کا پیغام بن جاتی ہے، اسی طرح فکر ونظر اور زبان وقلم کی بے اعتدالی قوموں کے لئے بھی ہلاکت وبربادی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے غالباً اسی عدل وانصاف کے راستے کو صراطِ مستقیم (فاتحہ:۵) سے اور اس پر قائم رہنے والوں کو ''امت وسط'' سے تعبیر کیا ہے (بقرہ:۱۴۳) رسول اللہ ﷺ نے عام معاملات میں نہیں، بلکہ عبادات میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا سبق دیا ہے، علمائے امت نے جادۂ حق سے انحراف کرنے والے گروہوں میں خوارج کو سب سے زیادہ قابل مذمت قرار دیا ہے، یہاں تک کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: ''**الخوارج قوم سوء، لا أعلم في الأرض قوما شرا منهم**'' (السنة لابی بکر الخلال، حدیث نمبر:۱۱۰)

خوارج عبادت وریاضت اور شریعت کے ظاہری احکام پر عمل کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے بلکہ آگے ہی رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی علامت بتائی کہ تم کو اپنی تلاوت اور عبادت ان کے مقابلہ حقیر محسوس ہوگی۔

يقرؤن القرآن ليس قراءتكم الى قراءتهم بشيء، ولا صلاتكم الى صلاتهم بشيء ولا صيامكم الى صيامهم بشيء يقرؤن القرآن يحسبون أنه لهم وهو عليهم، لا تجاوز صلاتهم تراقيهم، يمرقون من الاسلام، كما يمرق السهم من الرمية (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۰۶۶)

ان کی بیماری بے عملی نہیں تھی، بلکہ غلو اور بے اعتدالی، دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی، ان کی

نیتوں کے بارے میں سوءِ ظن اور پھر جو ذمہ داریاں ولی امر سے متعلق ہیں، ان کو اپنے ہاتھ میں لے لینا، یہ ان کی اصل بیماری تھی اور اسی لئے صحابہ کو ان سے باضابطہ جہاد کرنا پڑا۔

عام لوگوں میں تو اس کا نقصان محدود ہوتا ہے، لیکن اگر علماء اور مقتدایان قوم اس کا شکار ہو جائیں تو اس کے نقصانات بہت دوررس ہوتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ گذشتہ ایک دو دہائیوں میں یہ کیفیت علماء میں بڑھ گئی ہے اور بڑھتی جارہی ہے، خواہ ان کا تعلق خلیج اور عالم عرب سے ہو یا ہمارے پڑوسی ملک سے اور اب یہی کیفیت نہایت تیزی اور پوری قوت کے ساتھ ہمارے ملک میں درآمد کی جارہی ہے، کسی مسلمان کو کافر کہنے، مشرک کہنے، فاسق و فاجر کہنے اور مبتدع کہنے میں ایسی بے احتیاطی سے کام لیا جاتا ہے کہ گویا یہ کوئی خاص بات ہی نہ ہو، ہم حدیث کی جو بھی کتابیں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، ان کے اہم ترین حصہ ''کتاب الایمان'' میں زیادہ تر معتزلہ اور خوارج پر رد کیا جاتا ہے، لیکن معتزلہ اور خوارج کے بارے میں جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے کہ ان کو دائرۂ ایمان سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

''و حكم الخوارج عند جمهور الفقهاء والمحدثين حكم البغاة و ذهب بعض المحدثين الى كفرهم قال ابن المنذر ولا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم، و هذا يقتضى نقل اجماع الفقهاء.

مطلب فى عدم تكفير الخوارج و اهل البدع وقد ذكر فى المحيط أن بعض الفقهاء لا يكفر أحدا من أهل البدع و بعضهم يكفر من خالف منهم ببدعته دليلاً قطعيا و نسبه الى أكثر أهل السنة والنقل الأول أثبت، نعم يقع فى كلام أهل مذهب تكفير كثير، لكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون، بل من غيرهم.

لا عبرة بغير الفقهاء والمنقول عن المجتهدين ما ذكرنا، وابن المنذر أعرف بنقل مذاهب المجتهدين. (شامی:۶/۴۱۳)

''جمہور تابعین اور علماء اہل حدیث کے نزدیک خوارج کا حکم باغیوں کا سا ہے اور بعض علماء حدیث ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن منذر کا بیان ہے کہ میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جس نے ان کو کافر قرار دینے کے سلسلے میں علماء حدیث کی موافقت کی ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ خوارج کے کافر نہ ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے اور ''محیط'' نامی کتاب میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض فقہاء اہل بدعت میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے اور بعض ان لوگوں کو قرار دیتے ہیں جو اپنی بدعت میں کسی دلیل قطعی کی مخالفت کے مرتکب ہوں، اس رائے کو مصنف نے اکثر اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے (یعنی کافر نہ قرار دیئے جانے کی) یہ فقاء مجتہدین کا کلام نہیں،

دوسروں کا کلام ہے اوران کے کلام کا اعتبار نہیں، مجتہدین سے وہی بات منقول ہے جو ہم نے ذکر کی اور علامہ ابن منذر مجتہدین کی آراء سے زیادہ واقف ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:''**تفرقت اليهود على احدى و سبعين فرقة و تفرقت النصارى على احدى أو ثنتين و سبعين فرقة و تفرق أمتي على ثلاث و سبعين فرقة**''. (مسند احمد عن ابی ہریرۃ ۲۳۲/۲، سنن ابی داؤد: حدیث نمبر ۴۳۹۶، سنن ترمذی، حدیث نمبر ۴۶۴۲، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۳۹۹۱)

بعض روایتوں میں اضافہ ہے:''**كلها في النار الا واحدة وهي الجماعة**'' (مسند احمد: ۱۰۲/۴ عن معاویہ، ابوداؤد: حدیث نمبر ۴۵۹۷)

آج کل اس حدیث کو ایک گروہ دوسرے گروہ کو گمراہ اور خارج ایمان قرار دینے کے لے ذکر کرتا ہے، حالاں کہ غور کیا جائے تو یہ امت کے لئے اتحاد اور تقارب کی بنیاد بن سکتی ہے کیوں کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ تمام گروہ رسول اللہ ﷺ کی امت اجابت میں شامل ہیں اور دائرۂ ایمان سے باہر نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ''امتی'' کا لفظ عام طور پر امت اجابت یعنی مسلمانوں کے لئے استعمال کیا ہے، امت دعوت کے لئے صرف امت کا لفظ کہا ہے جیسے آپ نے فرمایا:

''**والذى نفس محمد بيده! لا يسمع بى من هذه الامة يهودى ولا نصرانى، ثم يموت ولم يؤمن بالذى أرسلت به الا كان من اصحاب النار**''. (مسلم عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۱۵۳)

اسی لئے علامہ خطابیؒ نے فرق والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے:''**فيه دلالة على أن هذه الفرق كلها غير خارجة من الدين، اذ قد جعلهم النبى ﷺ كلهم من أمته**''. (معالم السنن: ۷/۴)

اسی طرح علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:''**والنبى ﷺ لم يخرجهم من الاسلام، بل جعلهم من أمته**'' (منہاج السنۃ: ۲۴۱/۵)

یہی بات امام عبدالوہاب شعرانی نے اپنی معروف کتاب ''الیواقیت والجواھر'' میں فرق ضالہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہی ہے۔ (الیواقیت والجواہر: ۱۲۸/۲، مبحث ۵۸)

نیز مشہور محقق علامہ ابواسحاق شاطبیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق اور نادرۂ روزگار تالیف ''الموافقات'' میں بیان فرمایا ہے۔ (دیکھئے: الموافقات: ۱۹۴/۴-۱۹۳)

چنانچہ بعض اہل علم نے صراحت کی ہے کہ تمام فرقوں کے دوزخی ہونے اور ایک کے جنتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک فرقہ کو دخول اولین کی سعادت حاصل ہوگی اور بقیہ کو فاسقین مذنبین کی طرح دخول اولین تو حاصل نہ ہوگا لیکن مآل کار وہ بھی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

"ولعل وجه التوفيق ان المراد باهل الجنة فی الروایة الثانیة ولو مآلا"

(کشف الخفاء:۱/۱۶۷، حدیث نمبر:۴۴۶)

اس لئے ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے کسی طبقہ کو کافر یا مسلم ممالک کے بعض انتہا پسندوں کی طرح مباح الدم قرار دینے میں احتیاط کا دامن نہ چھوڑا جائے، اسی طرح کسی گروہ کو مشریک کہنے کا معاملہ ہے، کسی عالم کو رسول اللہ ﷺ کی طرح معصوم سمجھنا یا اس کی بات کو حجت سمجھنا ایک الگ بات ہے اور اس کی تحقیق یا اجتہاد پر اعتماد کرنا بالکل دوسری بات ہے۔ پہلی شکل شرک کی ہے اور دوسری صورت اہل علم وصلاح کی اتباع واقتدار کی ہے، جو دین میں مطلوب ہے۔ "اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ" (انعام:۹۰)

اسی طرح اگر کوئی شخص مشرکانہ عمل کرتا ہو لیکن وہ اس کی تاویل کرتا ہو تو یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ فلاں شخص مشرکانہ عمل کا مرتکب ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس کے مشرک ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح فقہاء کا مشہور قاعدہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کے عمل کو حتی المقدور صواب وسداد پر محمول کیا جائے گا، اسی لئے جن مسائل میں معتبر علماء و اربابِ افتاء کے اقوال مختلف ہیں، اس کو اس عمل کی وجہ سے فاسق کہنے میں احتیاط کرنی چاہئے، اسی طرح جن کاموں کی اصل قرونِ خیر میں نہ ہو، لیکن کوئی شخص اسے دینی عمل سمجھ کر انجام نہ دیتا ہو، اگرچہ مجموعی نفع ونقصان کے اعتبار سے اس سے منع کیا جاسکتا ہے، لیکن اسے بدعت کہنا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ ہر احداث بدعت نہیں ہے، بلکہ احداث فی الدین بدعت ہے، اسی طرح کوئی ایسا عمل جو مختلف قوموں میں مروج ہو، اس کا مذہب سے تعلق نہ ہو اور نہ کسی خاص غیر مسلم گروہ کی شناخت اس سے متعلق ہو، اس کو "تشبہ بالکفار" نہیں کہا جاسکتا، جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بعض فتاویٰ سے ظاہر ہے اور اس کی وجہ سے اس کے مرتکب کو فاسق کہنا درست نہ ہوگا، تکفیر، تشریک، تبدیع اور تفسیق کے سلسلے میں احتیاط کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں بے احتیاطی امت میں انتشار وافتراق کا ذریعہ بن رہی ہے۔

بے اعتدالی کا ہی ایک پہلو انکار اور تاویل کے درمیان فرق نہیں کرنا ہے، انکار کا مطلب کسی بات کو حجت نہیں ماننا ہے اور تاویل سے مراد اس کے متبادل معنی کو چھوڑ کر کوئی اور معنی مراد لینا ہے جس کی کلام کے اندر گنجائش ہو، جیسے رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں فرمایا: "تحریمها التکبیر" اب بعض فقہاء نے اس سے "اللہ اکبر" کہنا مراد لیا ہے اور بعض نے معنوی پہلو کی رعایت کرتے ہوئے کوئی بھی کلمہ تعظیم کہنے کو کافی سمجھا۔ یہ دوسری صورت تاویل کی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، اس دائرے میں صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے کہ بعض سلفِ صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء وکیفیات کو تسلیم کیا، مگر اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کا ثبوت اللہ ہی کی شان کے موافق ہے، ہم اس کا ادراک نہیں کرسکتے، جس کو "تفویض" کہتے ہیں اور بعض نے تاویل کا راستہ اختیار کیا کہ مثلاً

عین سے مراد آنکھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بصیر ہونا ہے اور ''اذن'' سے مراد کان نہیں، اللہ تعالیٰ کا سمیع ہونا ہے، یہ دونوں طریقے تفویض و تاویل کے سلف صالحین کے زمانے سے آرہے ہیں، علم کلام کے مسائل میں دونوں طریقے اختیار کئے جاتے رہے ہیں، ان میں سے کسی کو نص کا منکر نہیں کہا جاسکتا، اگر تاویل کو انکار سمجھا جائے تو سلف صالحین اور فقہاء و محدثین میں شاید کوئی ایسا نہ رہ جائے جو انکار کی تہمت سے بچ جائے۔ معروف روایت ہے: ''**البیعان بالخیار مالم یتفرقا**'' امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے اس میں تفرق اقوال مراد لیا ہے جب کہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے تفریق ابدان اور یہی رائے ابن ابی ذئب کی ہے۔ ابن ابی ذئب نے اس مسئلہ میں امام مالکؒ کے بارے میں کوئی سخت کلمہ کہہ دیا تو حالاں کہ امام احمد بن حنبلؒ کو امام مالکؒ سے اس مسئلہ میں اختلاف تھا، لیکن انہوں نے ابن ابی ذئب کے اس لہجہ پر ٹوکتے ہوئے فرمایا کہ امام مالکؒ نے اس حدیث کو رد نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تاویل کی ہے:

''**مالك لم یرد الحدیث، ولکن تاوله علی غیر ذلك**'' (ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین، ص ۴۷)

بے اعتدالی کا ایک سبب مدارج احکام پر توجہ نہ دینا ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ شریعت کے تمام احکام ایک درجہ کے نہیں ہیں، بعض فرض، واجب ہیں۔ بعض سنن و مستحبات ہیں اور بعض مباح ہیں، بعض احکام نصوص پر مبنی اور بعض قیاس و اجتہاد پر اور جو احکام نصوص پر مبنی ہیں، ان میں بھی بعض اپنے ذریعہ ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی ہیں اور بعض ظنی، پھر جو احکام نص قطعی الثبوت سے ثابت ہیں ان میں کچھ وہ ہیں جن کی دلالت اپنے معنی و مفہوم پر بالکل واضح ہے اور بعض کی دلالت اس طور پر ہے کہ اس میں اس سے مختلف معنی کا بھی احتمال ہے، اسی طرح بعض احکام پر فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔ یہ سب ایک درجہ میں نہیں ہیں، غرض کہ اہمیت کے اعتبار سے بھی احکام کے مختلف مدارج ہیں ذریعہ ثبوت کے اعتبار سے بھی اور مصادر شریعت کے ان احکام پر دلالت کرنے کے اعتبار سے بھی، لہٰذا اہمیت اور ثبوت کے اعتبار سے ان مختلف مدارج کے احکام میں فرق کرنا ضروری ہے۔

کسی حکم کو اس کے درجہ سے بڑھا دینا غلو اور احداث فی الدین ہے، اسی لئے اہل علم نے ایجاب مالا یجب کو بدعت شمار کیا ہے، جیسے سنت یا مستحب کو فرض کا درجہ دے دینا یا کسی تارک سنت کے ساتھ تارک فرض کا سا رویہ اختیار کرنا اور کسی حکم کو اس کے درجے سے گرا دینا بددینی اور انحراف ہے، مدارج احکام کی رعایت نہ کرنے میں ہی یہ بات بھی شامل ہے کہ جو مسائل فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہیں اور سلف صالحین کے یہاں ان کے بارے میں ایک سے زیادہ رائیں پائی جاتی ہیں ان میں کسی ایک پہلو پر عمل کو بالکل غلط ٹھہرا دیا جائے اور اس کو خاطی و گمراہ سمجھا جائے، اسی لئے امام شافعیؒ نے ''نہی عن المنکر'' پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جو مسائل اختلافی ہیں ان میں کسی

شخص کا عمل آپ کی رائے کے برخلاف ہے تو اس کے عمل کو منکر شمار کرنا اور اس پر نکیر کرنا درست نہیں ہے۔

امام سفیان ثوریؒ سے منقول ہے: ''**اذ رأیت الرجل یعمل العمل الذی قد اختلف فیه و أنت تری غیره فلا تنهه**'' (الفقیہ والمتفقہ ۲/۶۹)

مثلاً: اس کے عمل کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ تمہاری نماز درست نہیں ہوئی یا یہ کہ تمہاری اب تک کی نمازیں ضائع ہوگئیں، مگر آج کل کی صورت یہ ہوگئی ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسے طریقے پر نماز پڑھی، جو اس کے نزدیک مرجوح ہے تو بے تامل کہہ دیا جاتا ہے کہ تمہاری نماز درس نہیں ہوئی یا کہ تمہاری اب تک کی ساری نمازیں ضائع ہوگئیں۔

مجھے ہندوستان کے دور دراز کے ایک ملک کا سفر کرنے کا موقع ملا، جو عیسائی اکثریت کا ملک ہے اور مسلمان وہاں ایک حد تک اپنی بقاء کی لڑائی لڑ رہے ہیں، تو یہ جان کر افسوس ہوا کہ وہاں علماء کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ ٹوپی کس ڈیزائن کی پہنی جائے گی؟ اور اس پر باضابطہ مضامین بھی لکھے گئے ہیں، اس بات میں بھی نزاع ہے کہ کرتے کی کیا وضع ہونی چاہئے، وہ جبہ کی طرح ہو یا اس طرح کا جیسے برصغیر میں پہنا جاتا ہے، دامن کھلے ہوئے ہوں یا نہیں اور کھلے ہوئے ہوں تو کلی دار ہوں یا بغیر کلی کے ہوں؟ سوچئے کیا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں اپنی صلاحیتیں صرف کی جائیں؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جن باتوں کو فرض قرار دیا ہے ان کو ضائع نہ کرو، کچھ باتوں کو حرام قرار دیا ہے، ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ باتوں سے اللہ تعالیٰ نے بغیر بھولے ہوئے خاموشی اختیار کی ہے تو ان کی کھوج میں نہ پڑو: **فلا تبحثوا عنها**. (کتاب الرضاع: حدیث نمبر ۴۲۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے عافیت ہے، اس کو قبول کرو ''**فهو عافیة فاقبلوا من اللّٰه عافیة**.'' (سنن بیهقی، باب من لم یذکر تحریم حدیث نمبر ۱۹۵۰۸)

نیز حضرت ابو درداءؓ کی روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے ''**وما سکت عنه فهو مما عفی عنه**''. (ابن عدی فی الکامل: ۷/۱۵)

غرض کہ جن امور میں اللہ تعالیٰ نے تحدید نہیں رکھی ہے، ان کے بارے میں شریعت کا منشاء ہی یہی ہے کہ اس میں دونوں طرح کے عمل کی آزادی ہو، کسی خاص جہت کی پابندی نہ ہو، لیکن بعض دفعہ غلو پسند طبیعتیں ایسے مسائل میں تجدید و تقیید کے لئے کوشاں ہوتی ہیں جو دین کے مزاج کے خلاف ہے۔

✦.....✦.....✦

(دوسری قسط)

عالمِ اسلام کے خلاف شیعوں کی ریشہ دوانیاں

❖ مولانا مفتی وصی احمد قاسمی
استاذِ حدیث وناظم تعلیمات جامعہ ہٰذا
موبائل: 09897344431

سقوط بیت المقدس : شب معراج میں مسجد اقصیٰ کے اندر آں حضور ﷺ کے ذریعہ انبیائے کرام کی امامت سے یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ شہر بیت المقدس کے وارث اب مسلمان ہیں، لیکن آں حضورؐ اپنی مصروفیت اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ فتنۂ ارتداد اور قلت وقت کے باعث ادھر توجہ نہیں کر سکے، البتہ زمام خلافت جب حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئی تو دیگر مہمات کے ساتھ آپؓ نے بیت المقدس پر بھی توجہ فرمائی، اسلامی افواج جب شامی شہروں کی فتح سے فارغ ہو چکیں تو آپ نے مغربی محاذ کے کمانڈر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو بیت المقدس کا رخ کرنے کی ہدایت کی، رجب ۱۶ھ میں حضرت ابوعبیدہ، حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہمراہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں ''اجنادین'' کے مقام پر ایک خوں ریز معرکہ آرائی کے بعد عیسائی افواج پسپا ہو کر بیت المقدس میں محصور ہو گئیں، محاصرہ شدید ہوا تو محصورین کی جاں پر بن آئی اور انہوں نے صلح کی پیشکش کر دی اور شرط یہ رکھی کہ خلیفہ وقت یہاں تشریف لائیں اور عہد نامہ انہیں کے سامنے تحریر کیا جائے۔ مسلمان شہر کی اندرونی صورتِ حال سے واقف تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اب شہر کا قبضے میں آنا کچھ دشوار نہیں، لیکن قائد افواج حضرت ابوعبیدہ نے صلح کو کشت وخون پر ترجیح دی اور خلیفۃ المسلمین حضرت فاروق اعظم کو ان حالات کا ایک خط لکھا، فاروق اعظم نے مسجد نبوی میں اصحاب رائے سے مشورے کے بعد جانے کا فیصلہ کیا اور اس حال میں روانہ ہوئے کہ ستوؤں کا ایک تھیلا اور لکڑی کا ایک پیالہ ساتھ تھا، ایک ہی اونٹ تھا جس پر کبھی آپ سوار ہوتے اور غلام نکیل پکڑ کر چلتا اور کبھی غلام سوار ہوتا اور آپ نکیل پکڑ کر آگے چلتے، یہ سفر تھا اس عظیم الشان شہنشاہ اور خلیفۃ المسلمین کا جس کی فوجیں قیصر وکسریٰ کے محلات اور تخت وتاج کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند چکی تھیں۔

الغرض آپ تشریف لے گئے، عہد نامہ لکھا گیا، جس میں جان ومال کے ساتھ مذہب اور گرجوں کے تحفظ کی

بھی بھرپور یقین دہانی تھی، بطور گواہ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہم کے دستخط ہوئے اور حسب معاہدہ عیسائیوں نے شہر کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے، اس پورے معاملے میں حیرت انگیز طور پر کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی، یہ واقعہ ۱۶ھ کا ہے تب سے قبلہ اول مسلمانوں کی تحویل میں رہا۔ ۴۹۰ھ میں جب یورپ کی متحدہ افواج نے بیت المقدس پر قبضے کے لئے مسلمانوں پر حملہ کیا تو شیعی خباثت کی ایک نئی مثال سامنے آئی، عین اس وقت جب مسلم افواج شام کے سلجوقی حکمراں ''دقاق بن تتش'' کی زیر قیادت ''عکہ'' میں صلیبیوں کے ساتھ مصرف پیکار تھیں۔ میدان خالی پا کر مصر کی شیعی حکومت کے کمانڈر محمد ملک نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا اور جب صلیبی افواج بیت المقدس کی طرف بڑھیں تو وہ شہر چھوڑ کر مصر روانہ ہوگیا، گویا ''آب آمد تیمّم برخاست'' والی بات سامنے آئی، نہتے عوام کب تک مقابلہ کرتے، بالآخر مغلوب ہوئے اور عیسائیوں نے شہر میں گھس کر قتل عام شروع کردیا، لوگوں نے مسجد اقصیٰ میں پناہ لی، لیکن عیسائیوں نے شہر میں قتل و غارت کے بعد مسجد کا رخ کیا اور بچوں، بوڑھوں، جوانوں سب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کئے گئے، معصوم بچوں کو ٹانگوں سے پکڑ کر دیواروں پر دے مارا گیا اور علمائے کرام کو تیل چھڑک کر جلایا گیا، گلی کوچوں کے علاوہ ویرانوں اور کھنڈروں میں بھی لاشوں کے انبار لگ گئے، مسجد اور اس کے صحن میں شہداء کا خون گھوڑوں کے گھٹنوں تک پہنچ گیا۔ الغرض بہیمیت اور شیطنت کا ایک ننگا ناچ تھا، جو حضرت مسیحؑ کے متوالوں نے ائمہ معصومین کے پیروکاروں کے تعاون سے انجام دیا۔

فاطمی خلافت : تیسری صدی ہجری کے اواخر میں شام کے شہر ''حمص'' میں محمد حبیب نامی ایک شخص سکونت پذیر تھا، وہ اپنے آپ کو محمد بن اسماعیل بن جعفر کی اولاد سے بتاتا تھا، لیکن اس کے پیچھے اس کی سیاسی غرض شامل تھی، اپنی راہ ہموار کرنے کے لئے اس نے مختلف علاقوں میں اپنے جو داعی بھیجے، ان کو ہدایت کی کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ بہت جلد امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے، ان میں سب سے زیادہ کامیابی ابوعبداللہ بصری کو ہوئی، اسے براعظم افریقہ کے علاقۂ بربر میں بھیجا گیا تھا، بربر کا یہ علاقہ مصر سے مراکش تک پھیلا ہوا ہے، گویا تیونس، لیبیا اور الجزائر بنیادی طور پر بربر ممالک ہیں، جنہیں اسلام نے ہمیشہ کے لئے مہذب اور متمدن بنادیا۔ تاریخ اسلام کے دو مشہور فاتح طارق بن زیاد اور یوسف بن تاشفین بربر نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ابوعبداللہ کو اپنی مصنوعی بزرگی سے اس علاقے میں بڑی پذیرائی ملی اور جاں نثاروں کا ایک بڑا جتھا اس اس کے ساتھ ہوگیا، اس نے لڑ بھڑ کر ایک قابل ذکر علاقے پر اپنی حکومت قائم کرلی، جس کا دارالحکومت ''کتامہ'' تھا، جس وقت یہ واقعہ پیش آیا محمد حبیب کا انتقال ہو چکا تھا، اس کا بیٹا عبداللہ حمص میں موجود تھا، عبیداللہ اپنے نام کے ساتھ ''المہدی'' کا لاحقہ لگا کر افریقہ روانہ ہوا اور اہل کتامہ کو لے کر خطے کے مرکزی شہر ''قیروان'' پر قابض ہوگیا اور اسی کو اپنا دارالحکومت بنا کر حکومت

کرنے لگا، یہ وہی قیروان ہے جہاں پہلے نہایت خوف ناک جنگل تھا اور حضرت عقبہ بن نافع کے اعلان پر وحشی درندوں نے انتہائی نیاز مندی سے جنگل کا انخلا کر دیا تھا، اب یہ ملک تونس کا ایک بارونق شہر ہے، بعد میں مصر پر قبضے کے بعد فاطمیوں کا دارالسلطنت قاہرہ ہوگیا، جہاں سے تقریباً ڈیڑھ صدی وہ اپنے مقبوضہ خطوں پر حکومت کرتے رہے، بالآخر صلاح الدین ایوبیؒ نے انہیں بے دخل کر دیا۔

فاطمی اسماعیلی شیعہ تھے اور نسلاً مجوسی، جمہور مورخین نے انہیں فاطمی کہا، عربی النسل بھی تسلیم نہیں کیا ہے، ارمنی اور رومی عیسائی ان کی حکومت کے بنیادی عنصر تھے، بوقت ضرورت عیسائی حکومتوں سے مدد بھی لیتے تھے اور مدد کرتے بھی تھے، صلیبی جنگوں میں جب پورا یورپ مسلمانوں کا خون پینے کے لئے دوڑ پڑا تھا، صورتِ حال بہت نازک تھی، جان مال اور اسلامی شعائر سخت خطرے میں تھے، فاطمیوں نے متعدد مواقع پر مسلمانوں کے بالمقابل صلیبیوں کی خفیہ اور اعلانیہ بھرپور امداد کی، صلیبیوں نے جب پہلا شہر ''قونیہ'' فتح کیا تو فاطمی خلیفہ نے مبارک باد کا پیغام بھیجا، تاریخی شہر انطاکیہ خاص ان کی مدد سے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور پھر صلیبیوں کے لئے فتوحات کے راستے کھلتے چلے گئے، فاطمیوں نے پوری مدتِ حکومت بغداد کی کمزور عباسی خلافت اور اندلس کی شاندار اموی حکومت سے بے جا مخاصمت میں گذار دی، کبھی کبھی تو ان دونوں حکومتوں کو خالص گالیوں کے خطوط بھیجے جاتے تھے، اندلس کے اموی خلیفہ نے اسی طرح کی ایک حرکت پر فاطمی حکمراں عزیز عبیدی کو ایک عجیب جواب دیا، اموی خلیفہ نے لکھا کہ تم کو چوں کہ ہمارا نسب معلوم ہے اسی لئے تم نے ہماری یہ ہجو کی ہے۔ اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو ہم بھی کچھ کوشش کرتے۔

فاطمیوں نے اس کے علاوہ پورے عالم اسلام میں اپنے شر پسند دعات کا ایک جال پھیلا رکھا تھا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے موجودہ چانسلر سیدنا مفضل سیف الدین برصغیر میں ان کے بھیجے ہوئے داعی کی ۵۳ ویں نسل ہیں، جن کے پیروکار ''بوہرہ'' کہلاتے ہیں۔ انہیں مسلمانوں سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی غیر مسلموں کو، بلکہ کچھ زیادہ، پاکستان میں سندھ اور ہندوستان میں گجرات اور ممبئی میں ان کی قابل ذکر آبادی ہے۔ تحریک آزادی کے مشہور رہنما بدرالدین طیب جی اور ماضی قریب کے معروف اسکالر اصغر علی انجینئر 'بوہرہ' قوم سے تھے، یہ تاجر پیشہ اور بظاہر متدین ہوتے ہیں، مردوں کے لئے داڑھی اور سنہری گول ٹوپی اور عورتوں کے لئے غیر سیاہ نقاب ان کا شعار ہے۔ سورت گجرات میں ان کا مرکزی ادارہ جامعہ سیفیہ ہے۔ ان کی بیشتر زیارت گاہیں اور عقیدت کے مقامات مصر میں ہیں، جن کے تحفظ، مرمت پر یہ خطیر رقم صرف کرتے ہیں، یہ مقامات درحقیقت فاطمی حکمرانوں کے آثار اور ان کی بنوائی ہوئی عمارات ہیں، جن میں بین الاقوامی تعلیم گاہ جامع ازہر بھی ہے، جو اصلاً ایک مسجد تھی اور پھر وسیع وعریض یونیورسٹی بن گئی، اسے مشہور شیعی کمانڈر جوہر صقلی نے فتح قاہرہ کے وقت تعمیر کیا تھا، اسی لئے

ہمارے اکابر میں سرتاج فقہ وحدیث حضرت علامہ بدرالدین عینی مصری صاحب عمدۃ القاری علیہ الرحمہ اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے، مجھے سخت حیرت ہوتی ہے جب کوئی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو ''از ہر ہند'' کہتا اور لکھتا ہے، کسی تعلیمی ادارے کی حقیقی عظمت نہ قدامت سے ہوتی ہے، نہ وسعت وتعمیرات سے اور نہ طلبہ کی کثرتِ تعداد سے بلکہ اس کا پیمانہ کوالٹی ہے اور قومی وملی خدمات، اور اس باب میں بلاشبہ دنیا کا کوئی ادارہ دارالعلوم دیوبند کی ہم سری نہیں کرسکتا، خود ازہر بھی نہیں، ایک سروے کے مطابق دنیا کی مسلم آبادی سوا ارب ہے، ان میں اسّی کروڑ کو دارالعلوم دیوبند نے راست طور پر متاثر کیا ہے اور باقی کو بالواسطہ، اس طرح پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اسلامی دنیا کا سب سے عظیم ادارہ ہے۔

حادثہ انگورہ : تیسری صدی عیسوی میں شہنشاہ قسطنطین کے عیسائیت قبول کرلینے سے ''استنبول'' یعنی قسطنطنیہ محرف عیسائیت کی تبلیغ کا سب سے بڑا اور پرجوش مرکز بن گیا۔ تب سے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں آں حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ تک کم وبیش یہی صورت حال تھی، مشرق میں کسریٰ کی طاقت ور مجوسیت بھی تھی، لیکن وہ دعوتی اور تبلیغی نہیں تھی، اس پس منظر میں آں حضور ﷺ نے خاص قسطنطنیہ کی بابت دو احادیث ارشاد فرمائیں، آپؐ نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر جہاد کرے گا، اس کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ دوبارہ ارشاد فرمایا کہ تم ضرور قسطنطنیہ فتح کروگے، پس اس کا امیر بہترین امیر ہوگا اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا۔ بنا بریں فتح قسطنطنیہ کے حوالے سے مسلمانوں میں ہمیشہ بڑا جوش رہا۔ پہلی حدیث پر عمل کی توفیق حضرت معاویہؓ کو ملی، جب انہوں نے اپنے بیٹے کی سرکردگی میں قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کیا، اس حملے میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام شامل تھے، جن میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی شامل ہیں، اسی حملے کے دوران انہوں نے وفات پائی اور اپنی وصیت کے مطابق عین اس کی فصیل کے نیچے دفن ہوئے، مزار مرجع خلائق اور ترکی کے اہم ترین مقدس مقامات میں سے ایک ہے۔ دوسری بشارت پر عمل کا موقع ترکی کے ساتویں سلطان محمد خاں ثانی کو ملا۔ اس نے ۲۹ رمئی ۱۴۵۳ء میں اس مستحکم ترین شہر کو حیرت انگیز طریقے پر فتح کرکے اپنی راجدھانی بنالیا جو خلافت کے خاتمے تک تقریباً پانچ سو سال ترکوں کا دارالخلافہ رہا۔

ان دونوں واقعات کے درمیان بھی متعدد مسلم حکمرانوں نے حصول سعادت کی خاطر فتح قسطنطنیہ کی کوششیں کیں، جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز، ہشام بن عبدالملک، مہدی عباسی، ہارون الرشید کے علاوہ سلطان محمد خاں ثانی فاتح قسطنطنیہ کا دادا بایزید یلدرم بھی شامل ہے، سلطان بایزید سلطنت عثمانیہ کا انتہائی بہادر اور اولوالعزم فرماں روا گذرا ہے، ''یلدرم'' کے معنی بجلی کے ہیں، وہ بجلی کی مانند اپنے دشمنوں پر ٹوٹ پڑتا تھا اور مہلت نہیں دیتا تھا، پورا یورپ اس سے گھبراتا اور لرزتا تھا، ایک بار یورپ کے تمام بڑے سلاطین نے متحد ہوکر پانچ لاکھ لشکر جرار کے ساتھ

اس پر حملہ کیا تو اس نے آگے بڑھ کر ''نکوپولس'' کے میدان میں ان کے چھکے چھڑا دیے، ڈیڑھ لاکھ عیسائی مقتول ہوئے اور سات بادشاہ اور پچیس شہزادے گرفتار ہوئے، سلطان نے ان کو سامنے بلا کر کہا کہ: تم لوگ ناحق مجھ پر حملہ آور ہوئے، میں تو خود تم پر حملہ کرنا چاہتا ہوں، میرا ارادہ ہے کہ یورپ کو روندتا ہوا ''روما'' پہنچوں اور ''سینٹ پیٹرس'' کی قربان گاہ (ویٹی کن سٹی) میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاؤں، جاؤ ترکوں سے مقابلے کی تیاری کرو۔''

اس جنگ سے فارغ ہو کر اس نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملے کا ارادہ کیا، تاکہ راہ کا روڑا ہٹے اور منزل تک رسائی آسان ہو جائے، یہ سوچ کر اس نے سختی سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا، قیصر سلطان کی طاقت و حوصلہ مندی سے واقف تھا، سمجھ گیا کہ موت سامنے ہے، اس وقت مشرق میں سمرقند سے ایک نئی طاقت ابھر رہی تھی، یہ مشہور فاتح تیمور لنگ تھا، مزاجاً شیعہ تھا، محرم کے تعزیے کا بانی یہی ہے۔ قرآن کریم کے تئیں دیگر شیعوں کی طرح اسے بھی شکوک و شبہات تھے، دمشق میں علماء کی ایک مجلس میں اس نے برملا اس رائے کا اظہار کیا کہ قرآن غیر مرتب ہے، اس کی ترتیب نو ہونی چاہئے۔ خدا کے فضل سے وہاں علامہ ابن خلدون بھی تشریف فرما تھے، جنہوں نے اسے اس تحریف سے روک دیا، ایک سفر میں اسی کا گذر مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا جلال الدین رومی کی قبر سے ہوا، تو کہنے لگا کہ یہ پکا کافر تھا، جی چاہتا ہے کہ اس کی قبر ادھیڑ دوں، لیکن مردہ کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے شرم آتی ہے، عام شیعوں کی مانند اسے بھی عیسائیوں سے ہم دردی اور تعلق خاطر تھا، اس کی ایک تہائی فوج عیسائیوں پر مشتمل تھی، ''سلیمانیہ'' کا لاٹ پادری اس کا مستقل مصاحب تھا، تیمور کی زبردست تعریف پر مشتمل اس کی لکھی ہوئی یادداشتیں آج بھی پیرس کی نیشنل لائبریری میں موجود ہیں۔ تیمور کے ہاتھوں بہت سی مسلم سلطنتیں خاک میں مل گئیں، لیکن ''ماسکو'' کی چھوٹی سی عیسائی ریاست جو اس کے انتہائی قریب تھی اور آگے چل کر ایک خوف ناک شہنشاہیت میں تبدیل ہو گئی، ہمیشہ اس کی منظور نظر رہی، یہ ایسا بدنصیب حکمراں ہے جس کو کبھی کسی غیر مسلم حکومت سے لڑنے کی توفیق نہیں ملی، مزاحمت کرنے والے مسلمانوں کا قتل عام کرنا، ان کے صحت مند نوجوانوں اور حسین لڑکیوں کو غلام بنانا اور مقتولین کی کھوپڑیوں سے مینار تعمیر کرنا اس کا خاص مشغلہ تھا، ہندوستان پر حملے کے وقت دہلی کے قریب ''لونی'' میں بھی اس نے اسی طرح کا ایک مینار بنایا تھا۔

ان باتوں کے پیش نظر اس نازک موقع پر قیصر کی نگاہ التجا تیمور ہی پر پڑی، تیمور قیصر کی مدد کے لئے تیار ہو گیا اور آٹھ لاکھ تجربہ کار فوج لے کر ایک مسلمان بھائی کے مقابلے کے لئے چل پڑا، راستے میں بحیرۂ کیسپین کے کنارے روسی بحریہ سے اس نے رسد بھی حاصل کی، سلطان بایزید نے اطلاع ملتے ہی قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا کر تیمور کا رخ کیا۔ بالآخر ۸۰۴ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء میں ''انگورہ'' (انقرہ ترکی کا موجودہ دار الحکومت) کے مقام پر دونوں کے درمیان دونوں کے درمیان انتہائی خون ریز جنگ ہوئی، جس میں بایزید گھوڑے کے گر جانے سے گرفتار ہوا اور آٹھ

مہینے بعد بحالت قید دنیا سے چل بسا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یوں نہ صرف قسطنطنیہ کی تسخیر نصف صدی کے لئے موخر ہوگئی بلکہ اس کی ذات سے وابستہ اسلامی دنیا کی ساری آرزوئیں بھی پامال ہوگئیں، کیوں کہ بایزید کا عزم پورے یورپ کی فتح کا تھا اور اس کے لئے یہ ناممکن بھی نہ تھا، یورپ کی متعدد جنگوں میں اس کی شجاعت و بسالت کے جوہر دیکھ کر عیسائی دنیا مبہوت اور لرزہ براندام تھی، لیکن لنگڑے تیمور کی وجہ سے یہ سارے خواب بکھر کر رہ گئے۔

تاریخ میں ایک موقع ایسا اور آچکا ہے، جب پورا یورپ پکے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں گرنے ہی والا تھا کہ اپنوں ہی کی تنگ نظری آڑے آگئی، ہوا یوں کہ جب نامور افریقی کمانڈر موسیٰ بن نصیر اپنے غلام طارق بن زیاد کے ساتھ فتح اندلس سے فارغ ہوا تو ارادہ کیا کہ باقی یورپ کو بھی اسی وقت زیر نگیں کرلیا جائے۔ اس نے جنوبی فرانس کی طرف پیش قدمی بھی شروع کردی، لیکن نئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اموی نے اسے معزول کر کے نظر بند کردیا، وجہ یہ بنی کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اپنے بعد جب اپنے بیٹے کو ولی وعہد بنانا چاہا تو موسیٰ نے اس کی تائید کی تھی، سلیمان نے نہ صرف اسے معزول کیا بلکہ اس عمل میں شریک دیگر فوجی کمانڈروں کا اس سے بھی برا حشر کیا، ولید کی سلطنت تاریخ اسلامی بلکہ تاریخ عالم کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور اس کے دست و بازو تھے گورنر عراق و ایران حجاج بن یوسف، گورنر ترکستان و خراسان قتیبہ بن مسلم اور گورنر افریقہ موسیٰ بن نصیر، سلیمان نے موسیٰ کو نظر بند کردیا، قتیبہ کو مروایا اور حجاج بن یوسف چوں کہ مر چکا تھا اس لئے اس کی سزا اس کے بھتیجے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے حصے میں آئی جسے بعجلت تمام سندھ سے بلوا کر اس نے قید میں زہر دلوادیا۔

اسلام کی تاریخ میں یہ دو موقعے ایسے ہیں کہ یہاں پہنچ کر قاری غم واندوہ کے دریا میں ڈوب جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اگر ان دونوں مواقع پر اپنوں نے زک نہ پہنچائی ہوتی تو آج دنیا کا نقشہ دوسرا ہوتا، نہ صلیبی جنگیں ہوتیں، نہ اسرائیل ہوتا، نہ مغرب کی بے حیا تہذیب ہوتی اور نہ اسلام کے خلاف گہری سازشیں، بلکہ یورپ ایک اسلامی براعظم ہوتا اور اس کے واسطے سے براعظم شمالی امریکہ، براعظم جنوبی امریکہ اور براعظم آسٹریلیا میں صلیب کے بجائے اسلام کا پھریرا لہراتا۔

صفوی حکومت : شمالی ایران کے ضلع ''اردبیل'' میں ایک بزرگ شاہ سید صفی الدین گزرے ہیں، وہیں ان کی خانقاہ تھی، جس سے وہ اصلاح وتزکیہ کا کام بڑے پیمانے پر کیا کرتے تھے، یہ مسلکاً سنی تھے اور حلقۂ ارادت کافی وسیع تھا، شمالی ایران بنیادی طور پر شیعی علاقہ تھا، اس لئے آگے چل کر ان کی اولاد نے سیاسی مصلحت سے بتدریج شیعیت اختیار کرلی اور حصولِ اقتدار کی کوشش میں لگ گئے، اس چکر میں خاندان کے کچھ لوگ مارے بھی گئے، لیکن بالآخر انہیں کامیابی مل گئی، شیخ صفی الدین کی چھٹی نسل میں اسماعیل بن حیدر اپنے مریدوں کی جاں نثاری کے سہارے ۹۰۶ھ مطابق ۱۴۹۸ء میں شمالی ایران پر قابض ہوگیا اور تبریز کو راج دھانی بنا کر شاہ اسماعیل

صفوی کے نام سے حکومت کرنے لگا، دھیرے دھیرے باقی ایران بھی اس کے زیر نگیں ہوگیا، یہی حکومت تاریخ میں صفوی حکومت کے نام سے مشہور ہے۔

اسماعیل نے حکومت حاصل کرتے ہی اپنی تمام قلم رو میں بالجبر شیعہ مذہب کی اشاعت شروع کردی، سنیوں کو حد سے زیادہ تنگ کیا، ان کی مسجدیں اور مقبرے ڈھادیے اور اعلان کردیا کہ شیعہ بنو یا پھر ملک چھوڑ دو، کچھ نے جلاوطنی اختیار کی، بیشتر نے دفع الوقتی کے لئے شیعہ ہوجانا مناسب سمجھا، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ان کی نسلیں مخلص شیعہ بن گئیں، گویا اندلس کی تاریخ دہرائی گئی اور یہ عمل اس شدت کے ساتھ انجام دیا گیا کہ اکتیس صوبوں پر مشتمل پورا ایران شیعہ اکثریتی ملک بن گیا، پاکستانی سرحد پر واقع بلوچستان و سجستان اور ترکی سرحد پر واقع کردستان ہی تین ایسے سخت جان صوبے تھے جنہوں نے شیعیت کے اس طوفان بلاخیز سے اپنے کو بچائے رکھا، صفوی ایک عرصے تک جنوبی عراق پر بھی حکمراں رہے، جس میں نجف اور کربلا واقع ہیں، وہاں بھی انہوں نے یہی عمل دہرایا، حضرت علی و حضرت حسین کے مزارات پر واقع وسیع و عریض اور پرشکوہ عمارات انہیں کی تعمیر کردہ ہیں۔

عثمانی ترکوں نے ابتدا میں انہیں لگام دینے کی کوشش کی، چنانچہ سلطان سلیم عثمانی نے خاص اسی عنوان سے شاہ اسماعیل صفوی پر ایک سخت حملہ کرکے شکست فاش دی اور راجدھانی تبریز سمیت شمالی ایران کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا، اسماعیل نے وہاں سے بھاگ کر جان بچائی، البتہ اس کی بیوی سلیم کے ہاتھ آگئی، جس کو اس نے اپنے ایک معمولی سپاہی کے عقد میں دے کر اسماعیل کو دوہرا صدمہ پہنچایا، اس جنگ میں سلطان سلیم نے اسماعیل صفوی کے جس تخت پر قبضہ کیا تھا وہ آج بھی ترکی عجائب گھر ''توپ کاپے'' میں موجود ہے، جہان دیدہ میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ نے اس کے حسن و لطافت کی بڑی تعریف کی ہے، لیکن گوش مالی کا یہ سلسلہ بعد میں جاری نہیں رہ سکا، عثمانی سلاطین یورپ و افریقہ کی طرف متوجہ ہوگئے اور صفویوں کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا۔

صفویوں کی کارستانی کا یہ پہلو بھی بڑا حسرت انگیز ہے کہ انہوں نے اصلی اسلام کے خلاف جعلی اسلام کا طاقت ور محاذ تو بنایا ہی، ایران جیسے زرخیز خطے کو جو ایک طویل عرصے تک اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا ہے، فکری، علمی اور مذہبی طور پر بالکل بانجھ کردیا، جہاں کبھی صفویوں سے پہلے حدیث میں امام مسلم نیشاپوری، امام ابوداؤد سجستانی، امام ابوعبدالرحمٰن نسائی، امام ابن ماجہ قزوینی، عبداللہ بن خطیب تبریزی، تفسیر میں امام رازی، قاضی بیضاوی، ابوبکر جصاص رازی، ابن جریر طبری، فقہ میں علامہ علاء الدین کاسانی، امام جصاص رازی، امام الحرمین عبدالملک الجوینی، تصوف میں حضرت شمس تبریزی، شیخ عبدالقادر گیلانی، خواجہ معین الدین چشتی، فریدالدین عطار، ابوالقاسم قشیری، مخدوم اشرف سمنانی کچھوچھوی، ادب میں ابوالفرج اصفہانی، بدیع الزماں ہمدانی، ابومنصور ثعالبی، سعدی شیرازی، نحو میں سیبویہ بیضاوی، سید شریف جرجانی، عبدالقدر جرجانی، لغت میں مجدالدین فروزآبادی،

ابونصر اسماعیل جوہری، امام راغب اصفہانی، منطق وفلسفہ میں امام ابوحامد غزالی طوسی، جلال الدین دوانی، قطب الدین شیرازی، اثیرالدین ابہری صاحب ہدایت الحکمت، شاعری میں حافظ شیرازی، عمر خیام نیشاپوری، ابونواس، انوری، جامی، تاریخ میں ابن جریر طبری، ابوحنیفہ دینوری، علامہ بلاذری اور عبدالکریم شہرستانی، جغرافیہ میں ابوزید سیرافی اور ابن خرداد بہ اصطخری جیسے اساطین علم وفن اور جبال فضل وکمال پیدا ہوئے۔ آج وہاں اس حوالے سے ہو کا عالم ہے اور دور دور تک گہرا سناٹا ہے۔

نادر شاھی قتل عام : ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۸ء میں شاہ ایران نادر شاہ نے دہلی کے مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کو کئی خط لکھے کہ ایران کے دشمن افغانوں کو کابل سے نکال دے، کابل اس زمانے میں مغلیہ حکومت کا ایک صوبہ تھا، دہلی کا بادشاہ جو عشرت پسندیوں میں مست تھا وہ ان افغانوں کو کابل سے تو کیا نکالتا اس نے نادر شاہ کو ایک بے حقیقت انسان سمجھتے ہوئے اس کے خطوط کا جواب دینا بھی اپنی توہین سمجھا۔ نادر شاہ نے جب دیکھا کہ اس کے دوستانہ خطوط کا جواب تک نہیں دیا جاتا تو اس نے حملہ کر کے کابل پر قبضہ کر لیا اور دہلی حکومت کو اس کی خبر تک نہ ہوئی، فتح کابل کے بعد بھی نادر شاہ نے پیغام دے کر دہلی کے بادشاہ کے پاس اپنے ایلچی بھیجے جنہیں راستے ہی میں قتل کر دیا گیا، ایلچیوں کے قتل سے نادر شاہ نے ہندوستان پر حملے کا فیصلہ کر لیا، راستے میں اس نے پشاور اور لاہور کو لوٹتے ہوئے جب وہ دہلی سے سو کوس کے فاصلے پر ''کرنال'' پہنچ گیا تب کہیں بادشاہ کو اس کے آنے کی خبر ہوئی۔ بالآخر کرنال میں ایرانی اور مغل افواج میں جنگ چھڑ گئی، ایران کی آزمودہ کار سپاہ کے سامنے آرام طلب مغل فوج کی کیا حقیقت تھی، نادر شاہی لشکر نے دو گھنٹے کے اندر شاہی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔ امیر الامراء بری طرح زخمی ہوا اور زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا، اختتام جنگ پر مغل بادشاہ نے نظام الملک آصف جاہ اور برہان الملک سعادت علی خاں کو بھیج کر صلح کی سلسلہ جنبانی کی، نادر شاہ پر اب بھی کسی حد تک تخت دہلی کا رعب قائم تھا، وہ دو کروڑ تاوان جنگ لے کر وہیں سے واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا، دوسرے دن نادر شاہ کے بلانے پر جب محمد شاہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے بادشاہ کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور وعدہ کیا کہ ہر موقع پر تمہاری مدد کروں گا، بادشاہ خوشی خوشی اپنے محل واپس آیا۔

اسی دوران بادشاہ نے آصف جاہ کو اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر امیر الامراء کے خالی منصب پر فائز کر دیا، برہان الملک سعادت علی خاں جو ایک متعصب اور تنگ نظر شیعہ تھا، اس کو یہ بات بہت ناگوار گزری، اس کی خواہش تھی کہ یہ منصب مجھے ملے، اس نے شدت غیظ میں پوری بازی کو پلٹ دینے کا تہیہ کر لیا، وہ نادر شاہ کے پاس پہنچا جو واپسی کے لئے پابرکاب تھا اور کچھ ایسی پٹی پڑھائی کہ یکا یک اس کے تیور بدل گئے، اس نے فوراً بادشاہ کو طلب کیا اور حکم دیا کہ مستورات اور محل کے سارے عملے کو یہیں بلا لو، بادشاہ حیران ہوا، پھر بھی حکم کی تعمیل کی، بعد ازاں

محل کے جملہ خزانوں اور مال و اسباب کا بادشاہ سے مطالبہ کیا گیا، اس نے اس کی بھی منظوری دیدی، پھر مزید اطمینان کے لئے وہ بادشاہ کے ساتھ قلعہ پہنچ گیا، ابھی وہ قلعہ ہی میں تھا کہ دہلی والوں نے ایرانی فوجیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ اسے پتہ چلا تو اس نے قتل عام کا حکم دیدیا اور خود تلوار سونت کر چاندنی چوک میں روشن الدولہ کی مسجد کے دروازے پر بیٹھ گیا، شہر کی حالت یہ تھی کہ ہر مکان اور ہر کوچہ و بازار لٹ رہا تھا، عمارتوں کو آگ لگائی جارہی تھی اور دہلی والے بھیڑ، بکریوں کی طرح ذبح کئے جارہے تھے، بالآخر بادشاہ نے خود پہنچ کر درخواست کی کہ حضور! کم عقل رعایا کا قصور معاف فرمائیں، تب جا کر یہ سلسلہ بند ہوا، لیکن تب تک ڈیڑھ لاکھ آدمی انتہائی بے دردی سے شہید ہو چکے تھے، نادر شاہ کہاں تو صرف دو کروڑ پر راضی تھا، لیکن جب روانہ ہوا تو اسّی کروڑ کی مالیت کے ساتھ کوہِ نور ہیرا اور شاہ جہاں کا بنوایا ہوا بے نظیر تخت طاؤس بھی ساتھ لے گیا اور دہلی کو ایسا ویران کر گیا کہ پھر وہ کبھی سنبھل نہیں سکی، اس کا بھرم ختم ہو گیا اور جاٹوں، سکھوں اور مرہٹوں نے اسے بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا۔

جنگ پلاسی : ابتداء میں انگریزوں کی توجہ جنوبی ہندوستان پر رہی، اس لئے کہ یہ علاقہ آپسی خلفشار کا شکار اور دہلی سے کافی دور تھا، اس پر قبضہ بہت آسان تھا، لیکن وہاں چوں کہ دولت وفارغ البالی نہیں تھی اور وہاں سے دہلی تک رسائی بھی دشوار تھی، اس لئے انہوں نے اسے چھوڑ کر شمال مشرقی ہندوستان کا رخ کیا، جو مال دار تھا اور دہلی تک پہنچنے کا قریبی ذریعہ بھی، بنگال اس کا مرکز تھا، انگریزوں نے اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کر دی، کلکتہ، قاسم بازار اور ہگلی میں تجارت کے نام پر کوٹھیاں بنائی گئیں، جو درحقیقت قلعے اور سازشی اڈے تھے، اس وقت کے حاکم نواب علی وردی خان نے ان پر نظر رکھی، گاہے گاہے ان کی گوش مالی کی اور ان کی سازشوں کو بڑھنے نہیں دیا، اس کے انتقال پر اس کا جانشین نواب سراج الدولہ ہوا، وہ بھی اسی راستے پر چلا اور ان کے خلاف کچھ سخت اور موثر اقدامات بھی کئے، انگریز جو ہندوستان پر قبضے کے ارادے سے آئے تھے وہ اسے کہاں برداشت کرتے، انہوں نے اس کے خلاف ایک گہری سازش رچی۔ ایک سکھ تاجر سیٹھ امی چند کے ذریعہ انہوں نے سراج الدولہ کے شیعہ سپہ سالار میر جعفر کو نوابی کا لالچ دیا، نمک حرام میر جعفر تیار ہو گیا اور وعدہ کیا کہ پونے دو کروڑ روپیہ نقد دوں گا اور پوری ریاست میں ہر قسم کی مراعات انگریزوں کو حاصل ہوں گی، اس کے بعد ہگلی، ڈم ڈم اور کلکتہ کے قلعے انگریزوں نے بہ آسانی فتح کر لئے اور نواب کو پتہ بھی نہیں چلا۔ جون ۱۸۵۷ء میں اچانک انگریزی فوجیں دارالسلطنت مرشد آباد کی جانب بڑھتی ہوئی دکھائی دیں، بے خبر نواب بڑے حوصلے کے ساتھ آگے بڑھا، پلاسی کے مقام پر دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی، طے شدہ پروگرام کے مطابق عین مقابلے کے وقت میر جعفر نے چالیس ہزار فوج کے ساتھ میدان چھوڑ دیا، نواب سمجھ گیا، اس نے باقی ماندہ دس ہزار فوج کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کیا، لیکن تابکے، فوج کے دل چھوٹ چکے تھے، میر جعفر نے توپوں میں بھس بھروا دیا تھا، دوسری طرف انگریز خود

اعتمادی سے لبریز اور جدید اسلحہ سے لیس تھے، بالآخر نواب نے فرار ہونے میں ہی عافیت جانی کہ دوسرے مورچے کی تیاری کرے، لیکن غدار میر جعفر نے اپنے بیٹے میرن کی قیادت میں ایک دستہ فوج بھیج کر اس کا کام تمام کر دیا، اس وقت بنگال کے ساتھ بہار اور اڑیسہ بھی ملحق تھے، بنابریں اس جنگ کے نتیجے میں تین صوبوں پر بالواسطہ انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا جو آئندہ ان کے استعماری مقاصد کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔

شہادت ٹیپو سلطان : مدراس اور بنگال پر بالواسطہ قابض ہونے کے بعد انگریزوں نے میسور کا رخ کیا، میسور کے خلاف یہ ان کا چوتھا حملہ تھا اور بہت منصوبہ بند تھا، میسور کے وزیر اعظم میر صادق اور دیگر وزراء میر معین الدین اور میر غلام علی لنگڑا جو سب کے سب شیعہ تھے، خریدا جا چکا تھا، سازش بڑی مکمل تھی، لیکن فرمارواے میسور سلطان ٹیپو اس سے بے خبر تھا، پروگرام کے مطابق اس سے کچھ توہین آمیز مطالبات کئے گئے جو کسی بھی غیرت مند انسان کے لئے نا قابل قبول تھے، ٹیپو تو غیرت کا پتلا تھا، نتیجتاً اس نے انہیں مسترد کر دیا، پھر کیا تھا ۱۷۹۹ء میں انگریزی فوج مقابلے کے لئے چل پڑی، لاکھوں مربع میل پر مشتمل ریاست کو بغیر کسی قابل ذکر مزاحمت کے چند دنوں میں عبور کر کے میسور پہنچ گئی اور قلعہ سری رنگا پٹنم کا محاصرہ کر لیا اور سخت ترین گولہ باری شروع کر دی، ۴ رمئی کی صبح سلطان نے کھانا طلب کیا، ابھی ایک ہی لقمہ تناول کیا تھا اور دوسرا اٹھانا چاہتا تھا کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے آئے کہ حضور کے مخصوص جاں نثار سید غفار شہید ہو گئے۔ سلطان نے کئی سیر موتی اور جواہرات فقراء کو نذر کیا اور اسی حالت میں مقابلے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سلطان تلوار اور دونالی بندوق لے کر ''ڈوڈی'' دروازے سے باہر نکلا اور انگریزی فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔

فصیل قلعہ کی فوج بھی پوری جواں مردی کا مظاہرہ کر رہی تھی، قریب تھا کہ انگریزی افواج پسپا ہو جاتیں کہ عین اسی وقت ایک شیعہ افسر میر معین الدین نے حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے، سپاہی آ کر اپنی تنخواہیں لے جائیں، مقصد اس مورچے سے سلطان افواج کو ہٹانا تھا، فوج کے ہٹتے ہی پانسہ پلٹنے لگا، انگریزی فوج فصیل پر چڑھ کر قلعے میں داخل ہو گئی، سلطان نے یہ دیکھ کر قلعہ میں واپس جانا چاہا لیکن تب تک شیعی وزیر اعظم میر صادق دروازہ بند کر چکا تھا، اس کی یہ حرکت سلطان کے ایک فوجی سے نہ دیکھی گئی، اس نے یہ کہتے ہوئے کہ سلطان کو دشمن کے حوالے کر کے کہاں جا رہا ہے ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا، سلطان کو غداری کا احساس ہو چکا تھا، اس نے موجودہ امراء پر نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ ''اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہو گا جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اس ملک میں محتاج اور ذلیل ہو کر چاول کے ایک ایک دانے اور پیاز کی ایک ایک گٹھلی کو ترسیں گی'' اسی دوران پیچھے سے بھی انگریزی فوج کا ایک دستہ آ پہنچا اور سلطان دونوں طرف سے گھر گیا، ایسے میں سلطان کے خادم خاص نے عرض کیا کہ حضور وقت نازک ہے، جاں عزیز خطرے میں ہے، مصالحت کر لیں، سلطان نے کہا

کیا تم دیوانے ہو گئے ہو، خاموش رہو، شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' اور لڑائی مزید سخت ہوگئی، اس مختصر سی جگہ پر جو دروازے کے سامنے تھی، ساری انگریزی فوج سمٹ آئی، اچانک ایک گولی سے سلطان کا گھوڑا گر گیا اور وہ دست بدست لڑنے لگا، اس موقع پر جواں مردوں نے دل کھول کر دادِ شجاعت دی اور اس بلا کی خوں ریزی ہوئی کہ چشم فلک نے کم ہی دیکھی ہوگی۔ سلطان کے شانہ بشانہ سلطانی حرم نے بھی حضرت صفیہؓ وخولہؓ کی یاد تازہ کر دی تھی، بالآخر ایک گولی سلطان کے دل کے قریب اور ایک کنپٹی پر لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، جسم کئی گھنٹے شہادت کے بعد بھی حیرت انگیز طور پر گرم رہا۔ سلطان وہ پہلا حکمراں ہے جس کے مرنے کے بعد انگریزوں نے بڑے اعزاز واحترام کا معاملہ کیا، توپوں کی مسلسل سلامی دی گئی اور انگریز فوج نے دو رویہ ہو کر مزار تک جنازے کا استقبال کیا، کئی یورپین شعراء نے اسے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نپولین سے بھی بڑا بہادر قرار دیا ہے کہ اس نے نپولین کی طرح گرفتاری نہ دے کر جواں مردوں کی طرح مرجانے کو ترجیح دی۔

انگریزوں کو بعد میں شاید اپنی ستم گری کا کچھ احساس ہوا اور انہوں نے تلافی کے لئے سلطان کے کسی شہزادے کو جانشین بنانا چاہا لیکن ایک تیسرے شیعہ میر غلام علی لنگڑا نے یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا کہ ''افعی کشتن و بچہ اش رانگہ داشتن کار خردمنداں نیست'' اس طرح یہ ریاست پھر ایک ہندو خاندان میں منتقل ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ انگریز جنرل ''ہارس'' جب سلطان کی لاش کے پاس پہنچا تو مارے خوشی کے بے اختیار چیخ پڑا کہ ''آج سے ہندوستان ہمارا ہے، واقعہ یہی ہے کہ تنہا سلطان ہی ان کی راہ کا روڑا تھا، اس کے ختم ہوتے ہی میدان صاف ہوگیا اور چند ہی سالوں میں باقی ہندوستان، افغانستان، برما، لنکا، بھوٹان، نیپال اور مالدیپ، برطانوی استعمار کی جھولی میں گرتے چلے گئے۔ اقبال نے ٹیپو کے بارے میں صحیح کہا تھا ع ترکش ما را خدنگ آخریں۔

اودھ اور روھیلے : سابق میں نادر شاہ کے تذکرے میں ایک شیعہ امیر برہان الملک سعادت علی خاں کا ذکر آیا تھا، یہ اپنے آپ کو شیعوں کے ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد سے بتاتا تھا، یہی شخص مشرقی یوپی کی سلطنت اودھ کا بانی ہے، اس کی تیسری نسل میں نواب شجاع الدولہ ہوا ہے، اس کے دور میں روہیلہ پٹھانوں کے ساتھ جو بدترین سلوک کیا گیا، وہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔ روہیلے مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کے دور میں قندھار سے ہندوستان آئے اور رامپور، پیلی بھیت، بدایوں، شاہ جہاں پور، بریلی، مراد آباد اور بجنور میں پھیل گئے۔ یہ علاقہ انہیں کی وجہ سے ''روہیل کھنڈ'' کہلاتا ہے اور اصلی پٹھانوں کا ہندوستان میں سب سے بڑا مرکز ہے، روہیلے ہندوستان آنے والے پٹھانوں میں سب سے نووارد تھے، اس لئے ان میں شجاعت بھی تھی اور تدین بھی، بہت جلد انہوں نے سیاسی میدان میں اپنے وجود کا احساس دلا دیا، بریلی کے حافظ رحمت خاں، نجیب

آباد کے نجیب الدولہ اور فرخ آباد کے نواب احمد خاں بنگش ایک مجاہد کے طور پر ابھر کر سامنے آئے، نواب نجیب الدولہ ہی تھے جنہوں نے مرہٹوں کے عزائم کو بھانپ کر افغانستان سے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی تھی اور پانی پت کے میدان میں ابدالی کے ساتھ مل کر ان پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ پھر کبھی وہ اٹھ نہیں سکے۔ اسی خانوادے کا مرد جاں باز جنرل بخت خاں تھا جس نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں تنہا دہلی کو سنبھال لیا تھا۔ اگر قسمت یاوری کرتی اور اپنوں وغیروں کی سازشیں نہ ہوتیں تو آج ہندوستان کا نقشہ دوسرا ہوتا۔ ان تمام وجوہ کے پیش نظر مسلمانوں کا طبقۂ خواص یہ سمجھ رہا تھا کہ روہیلے زوال پذیر مغل خاندان کا بہترین متبادل ہوں گے، لیکن اودھ کے شیعہ حکمراں شجاع الدولہ نے انگریزوں کے ساتھ مل کر جدید اسلحوں سے ان پر اتنے حملے کئے کہ روہیل کھنڈ کے حکمراں حافظ رحمت خاں کی شہادت سے نہ صرف ان کی حکومت ختم ہوئی بلکہ اپنی جان بچانے کے لئے انہیں در بدر بھٹکنا پڑا۔

والیانِ اودھ کا جرم صرف یہی نہیں بلکہ ان کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے، مشرقی یوپی جو اپنے وقت کا شیراز تھا، جہاں دارالعلوم دیوبند سے بھی پہلے کا ایک عوامی ادارہ مدرسہ ہدایت العلوم کرہی ضلع بستی واقع ہے، جہاں سے خالص اسلامی حکومت کے قیام کی سب سے پہلی تحریک حضرت سید احمد شہید کے مبارک ہاتھوں برپا ہوئی، نوابوں نے اسے بالکل بدل ڈالنے کی کوشش کی، مذہب، اخلاق، کلچر سب کچھ بدلنے کی سعی کی گئی، کئی اہم اور بڑے خانوادوں نے جاگیر کی حفاظت کے لئے اپنا مذہب بدل دیا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے کہ مہاراجہ محمود آباد (سیتاپور) میرے عزیزوں میں سے ہیں، لیکن ریاستی جبر کی وجہ سے شیعہ ہوگئے۔ حکیم نجم الغنی رامپوری مصنف تاریخ اودھ کے بقول رامپور کے نوابوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں یہی بات سادات بلگرام کے بارے میں لکھی ہے۔ الغرض شیعہ سازی کی ایک خوفناک مہم چلائی گئی، کلچر کا حال یہ تھا کہ تاریخ میں پہلی بار طوائف کو معیار تہذیب قرار دیا گیا، کم از کم لکھنؤ کے شرفاء آدابِ زندگی سیکھنے کے لئے اپنے بچوں، بچیوں کو طوائفوں کے یہاں بھیجا کرتے تھے، ملاقات، نشست و برخاست، خورد و نوش کے آداب، گفتگو کے طور طریق، چھوٹے بڑوں کا لحاظ اور رہن سہن یہ سب رنڈیاں سکھاتی تھیں، تاریخ میں پہلی بار طوائف کو یہ رتبۂ بلند ملا تھا۔ بدکاری عام ہوگئی تھی، ساری توجہ قسم قسم کے کھانوں کی تیاری اور لباسوں کی تراش خراش پر مرکوز ہوگئی تھی۔ مردوں میں میک اپ اور زنانہ پن کا عام رواج ہوگیا تھا، نتیجتاً مردوں اور عورتوں کے لباس کا فرق بھی بہت معمولی رہ گیا، الغرض پورا ماحول جنس اور نسوانیت زدہ تھا، حد یہ ہے کہ فوج جو خالص جواں مردی اور قوت بازو کا شعبہ ہے، اس کے دستوں کا نام اختری اور نادری رکھا جانے لگا، یہ تہذیب نواب واجد علی کے دور میں آکر اپنے عروج کو پہنچ گئی، اللہ رجل فاجر سے بھی اپنے دین کا کام لے لیتا ہے، اس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے انگریزوں کے ذریعہ اس ناسور کو ختم کر دیا۔

۱۹۶۷ء کی جنگ : ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے ظالمانہ طور پر فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، جس میں یہودیوں کو ۵۵ فیصد اور مسلمانوں کو ۴۵ فیصد رقبہ دیا گیا تھا، لیکن اسی وقت یہودیوں کی مختلف مسلم تنظیموں نے حملے کر کے مزید حصوں پر قبضہ کر لیا، یوں کل فلسطین کا صرف ۲۲ فیصد رقبہ مظلوم فلسطینیوں کے پاس رہ گیا، جسے اردن کے انتظام میں دے دیا گیا۔ جون ۱۹۶۷ء میں اس ۲۲ فیصد حصے پر بھی قبضے کی ایک ساش تیار کی گئی، جس کا خاص مہرہ موجودہ شامی بشار الاسد کا باپ حافظ الاسد تھا، منصوبے کے مطابق حافظ الاسد نے یہودیوں کے خلاف تسلسل کے ساتھ اشتعال انگیز بیانات دینے شروع کر دیئے، اسرائیل موقع کا منتظر تھا، اس نے دفعتاً حملہ کر دیا، مخالفت کرنے والے ملکوں میں سب سے مضبوط مصر تھا، اسرائیل نے راتوں رات قاہرہ ایئر بیس پر کھڑے ہوئے اس کے تمام طیارے پرواز سے پہلے ہی تباہ کر دیئے، اس دوران جب کہ اسرائیل کی پوری توجہ مصر پر تھی، شامی فوج کے لئے کارروائی کا بہترین موقع تھا، لیکن اس نے کچھ نہیں کیا، اس پر طرفہ تماشا یہ کہ جب اسرائیل شام کی طرف متوجہ ہوا تو شامی فوج نے بغیر لڑے ہوئے جغرافیائی اعتبار سے انتہائی اہم ''گولان'' کی پہاڑیاں خالی کر دیں اور اسرائیلی فوج کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی اس پر اسرائیلی قبضے کا اعلان کر دیا۔ حافظ الاسد سے جب ایک ذمہ دار افسر نے کہا کہ میں گولان میں ہوں، گولان ابھی ہمارے ہی قبضے میں ہے اور یہاں اسرائیلی فوج کا کوئی وجود نہیں ہے تو حافظ الاسد نے ایک بھونڈی گالی دے کر کہا کہ اپنی حد میں رہو اور جو کہا جا رہا ہے اس کی تعمیل کرو۔ اس طرح نہ صرف گولان کی اہم پہاڑیاں اسرائیل کے قبضے میں گئیں، جہاں سے وہ ایک پہرے دار کی طرح سارے عالم عربی پر نظر کئے ہوئے ہے، بلکہ مصر کا وسیع صحرائے سینا اور بیت المقدس سمیت باقی فلسطین پر بھی اس نے قبضہ کر لیا، صحرائے سینا تو ۱۹۷۳ء کی جنگ میں مصر نے واپس لے لیا، گولان چوں کہ تحفے میں گیا ہے، اس لئے اس کی واپسی کا سوال ہی نہیں ہوتا، البتہ باقی فلسطین یعنی مغربی کنارا اب تک اس کے قبضے میں ہے اور فلسطینیوں کے لئے جہنم بنا ہوا ہے۔

ایران کی حقیقت : جغرافیائی طور پر ایران مغربی ایشیاء کا ایک اہم ملک ہے، رقبے میں یہ پاکستان سے ایک تہائی بڑا، سعودی عرب سے ایک تہائی چھوٹا اور عراق سے پانچ گنا بڑا ہے۔ اناج، پھل، قالین اور پیٹرول خاص پیداوار ہیں، اسلام کی آمد کے وقت دنیا کی دو سپر طاقتوں میں ایک رہ چکا ہے۔ ۹۰۰ سال تک مسلم ملک رہنے کے بعد صفویوں کے دور میں شیعہ اکثریتی ملک بن گیا، ایرانیوں کی خاصی تعداد میں شرع ہی سے شیعت کا مادہ وافر مقدار میں موجود تھا، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ انہیں اپنی جاہلی اور ساسانی تہذیب پر ناز اور عربوں سے نفرت ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عربوں نے انہیں شکست دے کر ان کی تہذیب اور طاقت کو ختم کر دیا، اس لئے عربوں والا اسلام یعنی سنی اور خالص اسلام انہیں دل سے پسند نہیں تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ایرانی ایک نسل پرست قوم ہیں، وہ

آریہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ملک ایران کی اصل ''آریان'' ہے، شاہی نسل کا درجہ ان کے یہاں خداؤں جیسا تھا، شیعیت بھی بنیادی طور پر نسل پرست مذہب ہے۔ اس کے علاوہ آخری کسرائے ایران ''یزدگرد'' کی بیٹی ''شہربانو'' کا حضرت حسینؓ کی زوجیت میں جانا بھی شیعیت کی طرف ان کی کشش کا باعث ہوا، ''امامت'' کے عقیدے میں انہیں یہ سوچ کر تسلی ہوئی کہ ساسانی خاندان نہ سہی ساسانیوں ہی کا خون ہمارا حکمراں اور مرکز عقیدت ہے۔

ان تمام وجوہ سے عربی اسلام، عربی قوم اور عربی تہذیب سے انہیں ہمیشہ نفرت رہی، فاتح ایران حضرت عمر فاروق کو ایک ایرانی مجوسی ''ابولولو فیروز'' نے ہی شہید کیا تھا، آج بھی وہ ایرانیوں کا ہیرو ہے، اس کے اعزاز میں ایک شاندار فرضی مقبرہ ایران میں بنا ہوا ہے، ایران کی درسی کتابوں میں عربوں کو ایک جاہل ظالم اور وحشی قوم بتایا گیا ہے اور اسماعیل صفوی کو اپنا نجات دہندہ، جس نے ساسانیوں یعنی خاندان کسریٰ کی طرح ایک بار پھر ان میں یگانگت کی روح پھونک دی اور ایران کی عظمت رفتہ کو زندہ کر دیا، فردوسی کا شاہ نامہ اسی عہد جاہلی کے مجوسی حکمرانوں کو منظوم خراج عقیدت ہے، جس میں جی بھر کر عربوں کو گالیاں دی گئیں ہیں، مجھے نہیں سمجھ میں آتا کہ محض ادبی خوبیوں کی وجہ سے لوگوں نے اس کے گھٹیا اور غیر اسلامی افکار سے چشم پوشی کیوں کر لی، اگر زبان ہی سب کچھ ہے، تو پھر سعادت حسن منٹو کے افسانے، عصمت چغتائی کے ناول، وہی وہانوی کی رومانی داستانیں اور معروف شیعہ ادیب جوش ملیح آبادی کی خودنوشت ''یادوں کی بارات'' پر تنقید کیوں کی جاتی ہے۔

الغرض حجازی اسلام سے ایرانیوں کو خاص الرجی ہے، مساجد عام طور پر ویران رہتی ہیں، امام باڑے آباد اور پررونق رہتے ہیں، وہاں عیدین کی کوئی اہمیت نہیں، لیکن ''عید غدیر'' کے نام سے ایک فرضی عید بڑے دھوم دھام سے منائی جاتی ہے، آں حضورؐ کی ہجرت مبارکہ کے وقت مجوسی ایران کے قرب کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ''نوروز'' اور ''مہرجان'' کے نام سے دو تہوار منائے جاتے تھے، آپؐ نے ان دونوں کے بدلے عیدین کو رکھ دیا تھا، ایرانیوں نے نوروز کو پھر زندہ کر دیا ہے، بہت سے ایرانی اس موقع پر مجوسیوں کی طرح احتراماً آگ پر سے بھی گذرتے ہیں۔

مساوات وحقوق انسانی کے نام نہاد علمبردار ایران میں سنیوں کی حالت بڑی قابل رحم ہے، سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ان کی آبادی ۲۰ رفیصد ہے لیکن درحقیقت ۳۰ رفیصد ہے، اس کے باوجود ایرانی مجلس یعنی پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی صفر ہے، اگر کوئی سنی اپنے علاقے میں مجلس کا امیدوار بننے کی کوشش کرتا ہے تو اسے یا تو قتل کر دیا جاتا ہے یا اس کے انتخاب میں دھاندلی کی جاتی ہے۔ ایران کی شیعہ حکومت میں آج ریاست یا انتظامیہ کا کوئی عہدے دار سنی نہیں ملے گا، حد تو یہ ہے کہ سنی علاقوں میں متعین قاضی جج اور اسکولوں میں استاذ بھی سارے شیعہ ہیں، سنی طلبہ کو یونیورسٹی سطح پر حصول تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے، زاہدان یونیورسٹی میں دو ہزار طلبہ میں سے صرف نو سنی طلبہ کو داخلہ دیا گیا، کاروبار، زراعت اور صنعت وحرفت کی اسکیموں میں امداد کے لئے بینک

کے قرضے، لائسنس اور دیگر مراعات صرف شیعوں کے لئے مختص ہیں، خواہ ان اسکیموں کا تعلق سنی علاقوں ہی سے کیوں نہ ہو، معمولی شبہے کی بنیاد پر گولیوں سے بھون دینا، تختہ دار پر لٹکا دینا، یا کم از کم داخل زنداں کر دینا سنیوں کی قسمت بن چکی ہے، آپ کو حیرت ہوگی کہ ''تہران'' میں لاکھوں سنی آباد ہیں، لیکن ان کی ایک بھی مسجد نہیں ہے، جہاں وہ آزادی کے ساتھ اپنی نماز ادا کر سکیں، حالاں کہ درجنوں گرجا گھر، آتش کدے، یہودی صومعے، ہندو مندر اور سکھ گرودوارے وہاں موجود ہیں۔ یہ وہی تہران یعنی ''رے'' ہے جہاں حضرت امام محمدؒ نے فقہ حنفی کی چھ بنیادی کتابیں تحریر فرمائی تھیں۔

ایرانیوں کا سب سے بڑا عیب نفاق ہے، جس کو وہ تقیہ کا نام دیتے ہیں، وہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں، خمینی کے دور سے انہوں نے عیسائی اور یہودی دنیا کے خلاف زبانی جنگ کا ایک طوفان برپا کر رکھا ہے، لیکن کیا اب تک کچھ نہیں اور نہ آئندہ کرنا ہے، یہ صرف اپنے عزائم پر پردہ ڈالنے اور عالم اسلام کی توجہات حاصل کرنے کا ایک سستا ذریعہ ہے، یہ بات شاید امریکہ اور اسرائیل بھی خوب سمجھتے ہیں، طالبان اور صدام حسین مرحوم کی دھمکیوں میں انہیں حقیقت نظر آتی تھی، طالبان کا معاملہ تو واضح ہے، صدام حسین نے بھی اسرائیل سے گذرنے والی عراقی تیل پائپ لائن بند کر کے، اس پر کچھ میزائلیں برسا کر اور ہر فلسطینی شہید کے ورثاء کے لئے معقول وظائف کا انتظام کر کے اس کے خلاف کچھ اقدامات کئے تھے، اسی لئے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور عراق میں اولاً ایٹمی پلانٹ کو تباہ کیا گیا، پھر دو خوفناک جنگیں مسلط کر کے عین عیدالاضحیٰ کے دن اس غیور حکمراں کی قربانی دیدی گئی، اس کے برعکس ایران کی تمام تر دھمکیوں کے باوجود اس کے خلاف کوئی معمولی کارروائی بھی نہیں کی گئی بلکہ ''پراسرار'' ایٹمی مسئلے پر مذاکرات کا طویل دور چلا کر اس کی اہمیت میں اضافہ کیا گیا اور عین اس وقت جب شیعہ سنی تنازعہ بنام ایران وسعودی عرب عروج پر تھا، اس کے لئے اربوں ڈالر کی مراعات کا اعلان کر کے واضح کر دیا گیا کہ خطے میں ہمارا حقیقی دوست کون ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ ساری دوستی ڈھکی چھپی ہے، پچھلے دنوں ہالینڈ کے ایرانی سفارت خانے کے ذمہ دار نے بہت کھل کر بیان دیا تھا کہ ہمارے نزدیک یہودی عربوں سے بہت اچھے ہیں کہ وہ کم از کم مہذب تو ہیں، میڈیا کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ آج بھی یہودی ایران میں خاصی تعداد میں موجود ہیں اور بڑی پرسکون اور خوش حال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی ایران سے متعلق جو دو پیشین گوئیاں ہیں ان سے بھی موجودہ صورت حال کی تائید ہوتی ہے۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ دجال مشرق سے نکلے گا، سعودی عرب کے بعد جانب مشرق میں پہلا ملک ایران ہی ہے، دوسرے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اصفہان (ایران) کے ستر ہزار یہودی دجال کے ساتھ ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں ارشادات میں اہل نظر کے نزدیک بہت کچھ چھپا ہوا ہے۔

۱۹۷۹ء میں انقلاب ایران کے وقت اگرچہ خمینی کے رضا کاروں اور زرخرید حواریوں نے ''لا شیعیة و لا سنیة اسلامیة اسلامیة'' کے پرفریب نعرے سے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ انقلاب خالص اسلامی ہے اور امت کے لئے اتحاد و یکجہتی کی نوید بن کر آیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک خالص شیعی انقلاب تھا اور امت کے لئے عذاب کا نقطۂ آغاز، چنانچہ انقلاب کے معاً بعد ایران نے شط العرب کے مسئلے پر عربوں کے سب سے طاقتور ملک عراق سے آٹھ سالہ طویل جنگ چھیڑ دی، دو سال بعد عرب امارات کے جزیرۂ ''ابوموسیٰ'' پر بالجبر قبضہ کرلیا، کردستان اور ایرانی بلوچستان کے سینوں پر یہ کہہ کر ''نیپام'' بم برسائے کہ وہاں بغاوت کی سازش ہو رہی ہے، پاکستان میں نفاذ شریعت اور اصلاح معاشرہ کی کامیاب تحریک چلانے والے معصوم علماء کو شیعہ نوجوانوں سے قتل کرایا، افغانستان میں طالبان کی قائم کردہ اسلامی حکومت کو جب شیعوں اور تاجکوں پر مشتمل شمالی اتحاد کے ذریعہ ختم نہیں کرا سکا تو ناٹو کو بن مانگے اپنے فضائی اڈے دے کر ان پر آگ اور خون کی بارش کرادی، اب یہی کھیل عراق، یمن اور شام میں اس کے ذریعہ کھیلا جا رہا ہے۔

امریکی حملے کے نتیجے میں صدام حکومت کے خاتمے کے بعد عراق کو مسلک کی بنیاد پر ایران نے عملاً اپنا ایک صوبہ بنالیا اور مسلکی تطہیر کی ایک خوفناک مہم شروع کردی۔ ۸۰ کی جنگ میں ایران کا دانت کھٹا کرنے والی فوج اور عراق کو ایٹمی طاقت بنانے میں سرگرم اعلیٰ ترین سنی سائنس داں اس کا خاص نشانہ بنے، جب یہ کارروائی عوامی سطح تک آ گئی تو مرتا کیا نہ کرتا کے بمصداق کچھ نوجوانوں اٹھے اور انتقامی کارروائیاں شروع کردیں ''داعش'' اسی طرح کی ایک تنظیم ہے جو عراقی شیعوں کے مظالم کے پس منظر میں وجود میں آئی ہے، یہ اور بات ہے کہ اب اس کا رخ شام کی طرف ہوگیا ہے اور اس کے عزائم بھی مبہم ہوگئے ہیں۔

سعودی عرب کے جنوب میں یمن ایک سنی اکثریتی ملک ہے۔ ۲۰ فیصد زیدی شیعہ بھی ہیں جو حوثی کہلاتے ہیں اور اپنے عقائد کے اعتبار سے سنیوں سے کافی قریب ہیں، وہاں حالات معمول پر تھے، کسی طرح کی شیعہ سنی کشمکش اور عوام و حکمراں طبقے کے درمیان محاذ آرائی نہیں تھی، لیکن ایران نے اپنے سازشی مشن سے انہیں نہ صرف عملاً ''اثنا عشری'' بنالیا بلکہ اربوں ڈالر کی جعلی کرنسی اور اسلحوں کی کھیپ سے مدد دے کر ان کے ذریعہ حکومت ہی گرادی، یہ سب کچھ سنی ملک سعودی عرب کو حصار میں لینے کا ایک کھیل تھا، ویسے بھی شیعوں کو حرمین کی وجہ سے سعودی عرب سے خاصی کدورت ہے، انقلاب کے فوراً بعد خمینی نے بیان دیا تھا کہ ہمارا اگلا نشانہ مدینۃ النبی ہے جہاں نبی کے پہلو میں لیٹے ہوئے دونوں بتوں (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) کو اکھاڑ پھینکنا ہے، نعوذ باللہ من ذالک، خدا کا شکر ہے کہ سعودی عرب نے خلاف توقع بروقت اقدام کر کے اس کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

ایران کا سب سے بھیانک چہرہ شام کی خانہ جنگی میں سامنے آیا، بہار عرب کے نتیجے میں تونس، مصر اور یمن

ہوتے ہوئے انقلاب کی لہر مارچ ۲۰۱۱ء میں جب شام پہنچی تو وہاں کی مقہور وستم رسیدہ سنی اکثریت کے لئے امید کی ایک کرن پیدا ہوئی، انہیں لگا کہ غموں اور محرومیوں کی سیاہ رات اب ختم ہونے والی ہے، لیکن ایران آڑے آ گیا، اس نے لبنان کی ''حزب اللہ'' اپنی فوج ''پاس داران انقلاب'' اور اس کے مخصوص کمانڈروں اور فوجی مشیروں کو شام میں تعینات کر دیا کہ کسی بھی قیمت پر بشار الاسد کی حکومت کو گرنے نہ دیں، انہوں نے وہاں کے سنی عوام پر ظلم و ستم کے وہی تمام تجربات کئے جو شامی فوج کرتی رہی ہے، اس کے باوجود مزاحمتی تحریکوں نے ایک مرحلے میں آ کر بشار کو تیزی سے پسائی پر مجبور کر دیا۔ مبصرین کی نظر میں کسی بھی وقت سقوطِ دمشق کی خوش خبری آسکتی تھی، ایسے موقع پر ایران نے ایک اور داؤں کھیلا، اس نے بعجلت تمام روسی صدر ''پوتن'' سے مذاکرات کئے اور کچھ خفیہ معاہدات کے ذریعے بشار کی حمایت پر اسے آمادہ کرلیا، روس کے آتے ہی پانسہ پلٹ گیا، اس نے پوری قوت سے فضائی بمباری کر کے مجاہدین کی پیش قدمی ہی نہیں روکی، بلکہ شامی فوج کا پلڑا بھاری کر دیا۔ امریکہ اور ناٹو اپنی مسلمہ حربی طاقت سے روس کا توڑ کر سکتے تھے، لیکن اس جنگ میں ان کی شرکت صرف دکھاوے کی ہے، کوئی پوچھ سکتا ہے کہ ایران کو بشار سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ اس کا جواب بہت واضح ہے۔ ایران نے عربوں کو گھیرنے کے لئے تیس سالہ جدوجہد سے ایران تا لبنان ایک شیعہ بیلٹ بنایا تھا، وہ اسے ٹوٹتا نظر آ رہا ہے، ایسے میں وہ خاموش تماشائی کیسے رہ سکتا ہے، خدا سابق عراقی صدر صدام حسین پر رحم فرمائے کہ اس نے اپنے محدود وسائل سے تن تنہا شیعی فتنے کو دبائے رکھا اور عربوں کے لئے ڈھال بنا رہا۔ افسوس اس کا ہے کہ عربوں ہی نے وہ ڈھال پھاڑ دی۔

(ختم شد)

✦.....✦.....✦

شیخ علی متقی الہندیؒ

(صاحب کنز العمال)

مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی، اعظم گڑھ

نام و نسب : علی نام اور علاء الدین لقب تھا، نسب نامہ یہ ہے: علی بن حسام الدین بن عبد الملک ابن قاضی خاں۔ عبداللہ محمد بن عمر آصفی نے علاء الدین کے بجائے نور الدین لقب تحریر کیا ہے۔

ولادت و وطن : ان کے آباء واجداد کا وطن شیراز ہند جون پور تھا، اسی لئے ارباب تذکرہ انہیں جون پوری الاصل لکھتے ہیں، مگر ان کا خاندان ان کی ولادت سے قبل برہان پور منتقل ہو گیا تھا، یہیں ۸۸۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ بعض مورخین نے سن پیدائش ۸۸۵ء لکھا ہے، آخر میں وہ مکہ معظّمہ چلے آئے اور بیت اللہ کے جوار میں قیام پذیر ہوئے۔

اساتذہ : شیخ کی ابتدائی تعلیم کا ماحول معلوم نہیں ہو سکا اور اس کا بھی پتہ نہ چل سکا کہ برہان پور کے کن لوگوں کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مورخین نے جن استاذوں کے نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں:

شیخ حسام الدین متقی ملتانی : یہ شیخ علی متقی کے مرشد بھی تھے جو بڑے عابد و زاہد اور ممتاز عالم تھے، شیخ ان کی خدمت میں دو برس رہے اور ان سے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی۔

شیخ ابوالحسن بکری شافعی : یہ اپنے زمانے کے مسلمہ ولی و عارف باللہ تھے، شیخ علی متقی نے مکہ معظّمہ میں ان سے حدیث کا درس لیا، ان سے انہیں خلافت بھی ملی تھی۔

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی : یہ اپنے دور میں مکہ کے مفتی، بلند پایہ فقیہ اور مشہور عالم تھے، ابتداء میں شیخ نے ان سے کسب فیض کیا مگر آخر میں یہ خود شیخ علی کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہو گئے تھے۔

تلامذہ : شیخ علی متقی کے شاگردوں اور مریدوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا، چند لوگوں کے نام یہ ہیں:

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی : ان کا نام استاذوں کی فہرست میں گذر چکا۔

شیخ عبدالوہاب متقی : یہ شیخ علی متقی کے خاص مسترشد و خلیفہ تھے جنہوں نے علم ظاہر و باطن دونوں کی ان سے تحصیل کی تھی۔

محمد بن طاہر پٹنی : یہ مشہور محدث اور مجمع بحار الانوار جیسی عظیم الشان کتاب کے مصنف تھے۔ شاہ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں: ''علم کی تحصیل کے لئے مکہ معظّمہ گئے تو شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے، ان کے مرید ہوئے اور ان سے خیر و برکت لے کر وطن واپس آئے۔''

شیخ چیلہ : آصفی نے تاریخ گجرات میں لکھا ہے کہ ''یہ شیخ علی متقی کے خاص شاگرد اور معتمد علیہ مرید تھے۔''

رحلت و سفر : شیخ اپنے وطن برہان پور سے علوم وفنون کی تحصیل اور تصوف وسلوک میں حصول کامل کے لئے پہلے ملتان گئے، پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور مکہ معظّمہ میں مستقل بود و باش اختیار کر لی، اس کے بعد وہ کئی بار گجرات کے علاقہ میں تشریف لائے اور لوگوں کو فیض یاب کیا۔

شاہ عبدالحق صاحبؒ ان کے ملتان کے قیام کے زمانے کا ایک معمول یہ بیان کیا ہے کہ وہ اس کے گرد و نواح کے بعض ایسے شہروں میں چلے جاتے تھے جو نیک لوگوں کا مسکن ہوتا اور جو جگہ مناسب اور بہتر ہوتی اور جہاں آسانی سے عبادت کر سکتے تھے چند روز قیام فرماتے، سفر میں دو تھیلے ان کے ساتھ ہوتے تھے، ایک میں عام ضرورت کی چیزیں اور کھانے پینے کا سامان چاول، دال، تیل، گھی اور نمک، کھانے پکانے کے برتن ہوتے۔ لکڑیاں خود جنگل سے جا کر لاتے اور دو دن کا سامان تین تک اور تین دن کا چار دن تک استعمال کرتے، کبھی مسجد میں نہ ٹھہرتے بلکہ کرایہ کے مکان میں رہے، چقماق جلا کر آگ سلگاتے اور ایک لوٹا ساتھ ہوتا، جس میں ایک مشک پانی آتا تھا، اس سے کھانا پکاتے، وضو اور ضرورت کے وقت غسل فرماتے۔

دوسرے تھیلے میں قرآن مجید اور بعض دوسری کتابیں رہتی تھیں، اگر کوئی شخص صحبت میں رہنا چاہتا یا خدمت کرنا چاہتا تو اس سے معذرت کر دیتے۔ (اخبار الاخیار: ص ۲۴۳، ۲۴۴)

مجلس درس و افادہ : شیخ علی متقی دینی علوم کے فاضل و ماہر بھی تھے اور سلوک وتصوف میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، ان کا بیشتر وقت علم کی اشاعت اور افادہ و فیضان میں بسر ہوتا تھا، طالبین کا جم غفیر ان کے بحر علم و معرفت سے سیراب ہونے کے لئے ہر وقت ان کی خدمت میں موجود رہتا تھا، ان کے درس کا انداز بہت باوقار تھا، وہ متانت اور سنجیدگی سے مجلس درس میں رونق افروز ہوتے تھے، درس میں کتب حقائق و اسرار و توحید وغیرہ کے مشکل مسائل کی توضیح و تفہیم میں وہی طریقہ اختیار فرماتے جو بزرگوں کا تھا۔

علم حدیث سے شغف : شیخ علی متقی بلند پایہ محدث تھے اور اس حیثیت سے ان کو بڑی شہرت نصیب ہوئی، تذکرہ نگاروں نے ان کو ''المحدث'' لکھا ہے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے کبار محدثین سے اس فن کی تحصیل کی تھی اور خود ان کے درس حدیث سے بے شمار لوگوں کو فیض پہنچا۔ حدیث سے ان کا اشتغال مدت العمر

قائم رہا، بڑھاپے میں بھی کتب حدیث کی مراجعت، مقابلہ، تصحیح، مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں شب وروز منہمک رہتے تھے، اس فن کے نکتوں اور باریکیوں سے انہیں مکمل واقفیت تھی۔

علم و فضل : وہ نہایت فاضل اور یکتائے روزگار تھے، اصول وفروع اور معقولات ومنقولات میں دسترس رکھتے تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی فرماتے ہیں: ''مکہ معظّمہ کے عوام وخواص ان کے فضل وکمال کے معترف تھے۔'' شاہ عبدالحق صاحبؒ رقم طراز ہیں: ''ان کے دور کے تمام اکابر ومشائخ کو ان کے کمال فضل کا اعتراف تھا۔'' محی الدین عیدروسی لکھتے ہیں: ''علماء میں جو اُن سے ملتا اور جس سے یہ خود ملتے وہ ان کی مدح وتوصیف میں رطب اللسان رہتا تھا۔''

حقیقت یہ ہے کہ شیخ علی متقی اپنی علمی عظمت، فضل وکمال اور جامعیت کی بناء پر ''سرمایۂ نازش ہندوستان'' تھے۔

علماء و زهاد سے تعلق اور اهل علم، مشائخ و طلبه کی امداد و تکریم :

وہ علماء اور دین داروں سے بڑا تعلق رکھتے تھے، ان کی ملاقات کے لئے خود تشریف لے جاتے اور انہیں بھی اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی مشہور صوفی اور صاحب علم تھے، ان کا بیان ہے کہ مکہ معظّمہ میں جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو ہم دونوں کی ایک دوسرے کے یہاں آمدورفت رہتی تھی، **تَردَّدت الیه و تردَّد الیّ** ''میں ان کے گھر جاتا اور وہ میری قیام گاہ پر تشریف لاتے۔'' (الطبقات الکبریٰ: ج۲)

اُن کے مسترشد خاص عبدالوہاب متقی کا بیان ہے:

''ایک دفعہ مکہ معظّمہ میں شیخ کی زندگی میں بلاد مغرب کے دو شخص وارد ہوئے، یہ دونوں باپ بیٹے تھے اور بڑے عبادت گذار اور زاہد مرتاض تھے۔ شیخ نے جب ان کی تعریف سنی تو ان سے ملنے کا قصد کیا مگر اس زمانے میں ان پر ایسا ضعف طاری تھا کہ پیدل چلنے کی قوت نہ تھی، اس لئے فرمایا کہ اگر ہمارا کوئی دوست ہم کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر لے جائے تو ہم وہاں جاسکتے ہیں، یہ سن کر ایک مضبوط اور توانا آدمی اس کے لئے تیار ہوگیا، چنانچہ اسی کے دوش پر سوار ہوکر ان دونوں حضرات کے پاس گئے اور مجھے بھی حکم دیا کہ ان کی کتاب حکم کبیر کا نسخہ لے کر ساتھ چلوں۔'' (اخبار الاخیار: ص ۲۴۶)

وہ اصحاب علم وزہد سے ملنے کے لئے بے چین اور مشتاق رہتے تھے، انہیں علماء اور طلبہ کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی کا بھی خیال رہتا تھا اور ان کی ہر قسم کی امداد واعانت بھی کرتے رہتے تھے۔

بیعت و ارادت : وہ سات آٹھ برس کے ہی تھے کہ ان کے والد بزرگوار انہیں شاہ باجن چشتی کی خدمت میں لے گئے، جو برہان پور ہی میں مقیم تھے اور شیخ علی متقی کو ان کا مرید کرادیا، تھوڑے عرصہ بعد والد کا

انتقال ہوگیا، اس وقت عمر کے تقاضے سے طبیعت دنیوی لذتوں کی جانب مائل ہوئی، مگر توفیق الٰہی نے یاوری کی اور دنیا کی حقارت اور ناپائیداری کا نقش دل میں ایسا جاگزیں ہوا کہ شیخ عبدالحکیم بن شاہ باجن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت پہنا۔ اس کے بعد ملتان گئے اور شیخ حسام الدین ملتانی متقی کی صحبت اختیار کی۔ دو برس کے بعد مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور شیخ ابوالحسن بکری کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے اور ایک اور بزرگ شیخ محمد بن محمد سخاوی سے سلسلۂ عالیہ قادریہ وشاذلیہ میں بیعت ہوئے۔ (اخبارالاخیار: ص ۲۴۱)

غرض شیخ علی متقی کو تصوف کے مختلف سلسلوں میں بیعت واجازت حاصل تھی، پہلے تو وہ شیخ عبدالحکیم بن باجن سے چشتیہ سلسلہ میں بیعت ہوئے، پھر قادریہ، شاذلیہ، مدینیہ سلسلوں سے وابستہ ہوئے، جن کے دو خرقے بزرگوں شیخ ابوالحسن بکری اور شیخ محمد بن محمد سخاوی سے پہنے۔

تصوف و سلوک : شیخ کا اصلی طغرائے امتیاز تصوف وسلوک میں امتیاز وکمال ہے، ان کی زیادہ شہرت اسی حیثیت سے ہے۔ تمام تذکرہ نگاروں نے ان کی اس خصوصیت کا ذکر کیا اور تصوف میں ان کے درجہ کمال کا اعتراف کیا ہے۔ عبدالوہاب شعرانی نے انہیں ''الشیخ الکامل'' لکھا ہے۔ صاحب النورالسافر رقم طراز ہیں: ''**العالم الصالح الولی الشهیر العارف باللہ تعالیٰ**'' عالم صالح، مشہور ولی اور عارف باللہ تھے۔ (النورالسافر: ص ۳۱۵)

آزاد بلگرامی لکھتے ہیں: ''مکہ معظّمہ کے عوام وخواص اُن کی ولایت کے معترف تھے۔'' (مآثرالکرام: ج ۱، ص ۱۹۳)

شاہ عبدالحق صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''جمیع مشائخ واکابر آں وقت بکمال فضل وولایت وے معترف ودر رعایت تعظیم وتکریم وے متفق بودند، والآن نیز خواص وعوام آں دیار چنانچہ مشائخ سلف رایاد کنند اورانیز یادمی کنند''

اس زمانہ کے تمام مشائخ واکابر علماء ان کے فضل وولایت میں کمال کے معترف اور ان کی تعظیم وتکریم کی رعایت اور اعتراف میں متفق تھے اور اب بھی مکہ معظّمہ وغیرہ کے عوام وخواص انہیں اسی طرح یاد کرتے ہیں جس طرح بزرگانِ سلف کو یاد کرتے ہیں۔ (اخبارالاخیار: ص ۲۴۲)

عیدروسی ان کے اوصاف ومحامد بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''**وبالجملة فما كان هذا الرجل الا من حسنات الدهر و خاتمة اهل الورع و مفاخر الهند، و شهرته تغنى عن ترجمته، و تعظيمه فى القلوب يغنى عن مدحه**''

خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص زمانہ کی خوبیوں اور نیکیوں کا مجموعہ تھا، اس کی ذات پر روع وتقویٰ کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی شخصیت ہندوستان کے لئے سرمایۂ فخر وناز تھی، اس کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی جو عظمت وبرتری پیوست ہے وہ اس کی مدح وتوصیف سے بالاتر ہے۔ (النورالسافر: ص ۳۱۹)

تقویٰ و کثرت عبادت : وہ بڑے زاہد و متقی اور عبادت گزار شخص تھے، عیدروسی کا بیان ہے کہ ''وہ عالم باعمل، اللہ کے مقبول اور صالح بندے اور تقویٰ میں نہایت عظیم المرتبت تھے۔ علامہ فاکہی نے یہ کیسی عمدہ بات لکھی ہے کہ ''ہمارے شیخ کا نام علی اور لقب واقعی اسم بامسمی اور ان کے عظیم مرتبہ کا آئینہ دار ہے۔''

شیخ علی متقی کی نگاہ میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، دنیا کے مال و متاع سے بے رغبتی کا یہ حال تھا کہ سلطان بہادر کو ان سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا مگر وہ ملنے سے پہلوتہی کرتے رہے، یہاں تک کہ قاضی عبداللہ سندھی کے کہنے سننے سے اس کے لئے تیار ہوئے، بادشاہ جب مل کر واپس گیا تو اس نے ایک کروڑ ٹنکہ بھیجا، مگر شیخ نے وہ ساری رقم قاضی عبداللہ کو دیدی اور فرمایا کہ ''سلطان سے ملاقات اور اس رقم کے حصول کا ذریعہ آپ ہی تھے، اس لئے آپ ہی اس کے حق دار ہیں۔'' (اخبار الاخیار: ص ۲۴۴)

قلتِ کلام : وہ کم سخن بھی تھے (النور السافر، ص ۳۱۶)

فضول اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرتے اور بلاضرورت کوئی بات چیت نہیں کرتے تھے، مجلس درس میں بھی عموماً خاموش رہتے۔ شعرانی کا بیان ہے کہ وہ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص: ۱۶۷)

قلت منام : شیخ سوتے بھی کم تھے۔ (النور السافر: ص ۳۱۶)

اور شب کا زیادہ وقت ذکر و فکر اور یادِ الٰہی میں گذارتے تھے۔

خلوت پسندی اور عزلت گزینی : خلوت پسند تھے اس لئے لوگوں سے الگ تھلگ اور کنارہ کش رہتے تھے۔

محی الدین عیدروسی کا بیان ہے کہ: **موثراً للعزلة من الأنام** (ایضا) لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں: ''بڑے گوشہ نشیں آدمی تھے، اپنے گھر سے صرف جمعہ کی نماز کے لئے حرم جاتے اور صفوں کے کنارے کھڑے ہوتے اور بہت جلد گھر واپس آجاتے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۷)

اتباعِ سنت : ان کے کسی شاگرد نے مکہ معظّمہ میں رسول کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آپؐ سے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! مجھے کس کام کا حکم دے رہے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ ''شیخ علی متقی کی اقتداء کرو، وہ جو کچھ کریں تم بھی وہی کرو۔'' محی الدین عیدروسی یہ خواب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ علی متقی کو نبی ﷺ کی متابعت سے حصہ وافر ملا تھا، اسی لئے آپؐ نے اس زمانہ کو اور لوگوں کے بجائے خاص طور پر ان کا نام لیا اور خواب دیکھنے والے کو ان کی اقتداء کا حکم دیا، اس خواب میں ان کی عظمت کے اور بھی کئی پہلو ہیں، ایک تو یہی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے انہیں ''شیخ'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔'' (النور السافر: ص ۳۱۸)

اس ضمن میں وہ خواب بھی نقل کرنے کے لائق ہے جسے شیخ کے بعض سوانح نگاروں نے ان کے مناقب میں بیان ہے کہ انہوں نے ۲۷ رمضان بروز جمعہ نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کی تھی، اس وقت انہوں نے آں حضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اس زمانے میں سب سے افضل شخص کون ہے؟ ارشاد ہوا: تم، پوچھا پھر کون افضل ہے؟ ارشاد ہوا ہندوستان میں محمد بن طاہر۔

کہا جاتا ہے کہ اسی شب میں شیخ کے شاگرد شیخ عبدالوہاب متقی نے بھی خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: **شیخك ثم محمد بن طاهر بالهند.** سب سے افضل تمہارے شیخ ہیں، پھر ہندوستان کے محمد بن طاہر۔

وہ جب شیخ متقی کے پاس یہ خواب بیان کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو شیخ نے ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرمایا کہ جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہے وہی میں نے بھی دیکھا ہے۔ (ایضاً ص ۳۱۵-۳۱۶)

امر بالمعروف و نهی عن المنکر : اہل حق اور علمائے ربانی کی طرح وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ سے غافل نہ رہتے۔ قاضی عبداللہ سندھی نے جب سلطان بہادر گجراتی کی ملاقات کے لئے سفارش کرتے ہوئے ان سے کہا کہ ''اگر آپ اس سے بات کرنا پسند نہ کریں گے تو ہم لوگ اسے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول رکھیں گے۔ شیخ نے فرمایا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کا لباس اور وضع قطع غیر اسلامی ہو اور مجھے اس کے اندر کھلا ہوا منکر دکھائی دے پھر بھی میں چپ رہوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض سے باز رہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کس قدر خیال تھا اور وہ کسی منکر اور غیر شرعی فعل وعمل کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ جب بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو جو نصیحت مناسب سمجھی اسے کی۔ (اخبار الاخیار ص ۲۴۴)

رزق کے معاملہ میں توکل : فرماتے تھے صحرا اور بیابان میں اکثر اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ کنویں کے کنارے پیاسے ہرن آتے ہیں اور پانی کی طرف حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں، جو کنویں کے اندر گہرائی میں ہوتا ہے، دفعتاً کنویں میں جوش آتا ہے اور پانی ابلنے اور بہنے لگتا ہے اور ہرن اور دوسرے جانور پانی پی کر خوب سیراب ہوجاتے ہیں اور کلیلیں کرنے لگتے ہیں، ہم نے خود بھی اس طرح پانی پیا ہے۔ (اخبار الاخیار، ص ۲۲۷)

نوکروں سے اچھا برتاؤ : اپنے ملازمین اور خادموں سے بھی اچھا برتاؤ کرتے اور ان کی غلطی اور کج خلقی کو نظر انداز کردیتے۔ شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ کمال نام کا ان کا ایک نوکر تھا جو نہایت بے ہنگم اور کج خلق تھا، اس کے جو جی میں آتا کرتا اور انہیں جو چاہتا کہہ دیتا اور ان کی مرضی کی مطلق پرواہ نہ کرتا مگر اس کے باوجود اسے عزیز رکھتے، اس کے معاملہ میں ضبط وتحمل سے کام لیتے اور اس کی کج خلقی اور ایذا رسانی کو برداشت کرتے۔ ایک روز وہ ان کے لئے شوربا بنا کر لایا جس میں بہت نمک تھا، مگر کوئی برہمی ظاہر کرنے کے بجائے اسے

بلا کر یہ کہا میاں کمال! ذرا بیٹھو پھر تھوڑا سا شوربا دے کر اس سے کہا اسے چکھو، دیکھو کیسا پکا ہے؟ اس نے بڑی ڈھٹائی سے درشت لہجہ میں کہا ہاں کچھ نمک تو ضرور زیادہ ہے مگر یہ کتنا عمدہ پکا ہے، آپ اسے کھایئے، کوئی حرج نہیں ہے۔ شیخ نے فرمایا بہت خوب! پھر پانی منگوا کر شوربے میں ڈالا اور تھوڑا سا کھالیا۔ (النور السافر: ص ۳۱۵، ۳۱۷)

پاکیزہ زندگی اور عمدہ سیرت : شیخ کے جو حالات وواقعات زندگی بیان کئے گئے ہیں وہ ان کی عظمت، پاکیزہ شخصیت، بے داغ زندگی اور عمدہ سیرت کی دلیل ہیں، ارباب سیر نے اعتراف کیا ہے کہ ان کے محاسن ومناقب گونا گوں ہیں اور ان کی سیرت پاکیزہ اور واقعات زندگی نہایت محمود اور قابل ستائش ہیں۔ اپنی پاکیزہ زندگی اور عمدہ سیرت واخلاق کی بنا پر وہ مذہبی ودینی حیثیت سے بڑے ممتاز شخص سمجھے جاتے تھے۔

شیخ محمد اکرام تحریر فرماتے ہیں: ''شیخ علی متقی جن کا فیض شیخ عبدالوہاب کی وساطت سے پہنچا، خود ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں اور ایک خاص شان اور پایہ کے بزرگ تھے۔'' (رودِ کوثر، ص ۳۵۳)

غیرت و خودداری اور عدم مداھنت : سلاطین وامرا سے رابطہ وتعلق کے باوجود شیخ نہ ان کی بے جا رعایت اور نامناسب لحاظ کرتے تھے اور نہ ان کی وجہ سے دین وشریعت کے معاملے میں کوئی مداہنت کرتے تھے بلکہ ان کے غیر شرعی اعمال، منکرات اور غیر مسنون لباس پر نکیر اور ناگواری بھی ظاہر کرتے تھے۔

شیخ میں بڑی غیرت وخودداری اور حد درجہ استغنا وبے نیازی تھی، اس لئے امرا کے یہاں جانے سے گریز کرتے مگر وہ خود حصول برکت کے لئے ان کی خدمت میں آتے۔ ایک دفعہ گجرات کے ایک وزیر نے انہیں برکت کے لئے اپنے گھر چلنے کی دعوت دی، فرمایا کہ ہمیں اس سے معاف رکھو، ہم یہیں سے تمہارے لئے برکت کی دعا کریں گے مگر جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو ارشاد ہوا کہ تین شرطیں منظور ہوں تو میں چلنے کے لئے تیار ہوں۔

(۱) میں جہاں چاہوں گا بیٹھوں گا، مخصوص اور نمایاں جگہ بیٹھنے کی فرمائش نہ کی جائے۔

(۲) کسی خاص چیز کو کھانے کے لئے مجبور نہ کیا جائے، ہمیں جو پسند ہوگا وہی کھائیں گے۔

(۳) جب میرا جی چاہے گا اٹھ کر چلا آؤں گا، مزید رکنے کے لئے اصرار نہ کیا جائے۔

اس نے یہ تینوں شرطیں منظور کرلیں، تو فرمایا کہ انشاء اللہ کل آؤں گا، چنانچہ دوسرے روز اکیلے تھیلے میں اپنے یہاں کے نان پارے لے کر اس کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے کے قریب بیٹھ گئے، اس نے شاہی اہتمام کیا تھا اور پرتکلف فرش بچھائے تھے، اس لئے وسط میں نمایاں جگہ بیٹھنے کے لئے اصرار کیا، فرمایا میں نے تو پہلے عرض کردیا تھا کہ جہاں چاہوں بیٹھوں گا، وزیر چپ ہوگیا، اس نے انواع واقسام کے کھانے پکوائے تھے، مگر شیخ نے انہیں تناول فرمانے کے بجائے اپنے تھیلے سے نان پارے نکالے اور ان ہی کو کھانا شروع کیا، اس نے پھر اصرار کیا کہ فلاں کھانا چکھ لیں، فرمایا میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جو چاہوں گا وہی کھاؤں گا، کسی چیز کے کھانے کے

لئے مجھے مجبور نہ کیا جائے گا۔اس کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور رخصت ہو کر چلے آئے اور کہا کہ یہ بھی پہلے ہی طے ہو چکا ہے کہ جب چاہوں گا چلا آؤں گا۔(اخبار الاخیار،ص ۲۴۶)

وفات : ۲/جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ کو منگل کے دن طلوع سحر کے وقت مکہ معظّمہ میں وفات پائی،اس وقت عمر تقریباً ۹۰ برس کی تھی اور معلاۃ میں ایک پہاڑ کے دامن میں حضرت فضیل بن عیاضؒ کی قبر کے بالمقابل دفن ہوئے،دونوں قبروں کے درمیان یک عام شاہراہ تھی اور یہ جگہ ناظر الجیش کہلاتی تھی۔

تصنیفات : شیخ علی متقی کا بیشتر وقت درس وتدریس اور لوگوں کی اصلاح وتربیت میں بسر ہوتا تھا،اس کے علاوہ تصنیف وتالیف سے بھی انہوں نے مدت العمر سروکار رکھا۔حدیث اور تصوف سے ان کو خاص مناسبت تھی،ان کی اکثر کتابوں کا تعلق ان ہی فنون سے ہے۔شیخ عبدالحق صاحب تصنیف وتالیف میں ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کی تصنیفات دیکھ کر عقل حیران اور ششدر ہو جاتی ہے اور اس بات پر یقین محکم ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی خاص برکت اور توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ان کی بعض کتابیں سالکانِ طریقت اور طالبانِ آخرت کے لئے بیش قیمت سرمایہ اور ان کے حال کے لئے معین ومددگار ہیں۔''

شیخ کی تصنیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے،ذیل میں ان میں چند کو ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)البرهان فی علامات المهدی آخر الزمان.

(۲)جوامع الكلم فی المواعظ والحكم

(۳)مختصر النهاية فی اللغة.

(٤)البرهان الجلی فی معرفة الولی

(٥)كنز العمال فی سنن الاقوال والافعال.

(٦)منتخب كنز العمال

(۷)منهج العمال فی سنن الأقوال

(۸)الاكمال لمنهج العمال

(۹)غاية العمال فی سنن الافعال

(۱۰) مستدرك الأقوال بسنن الافعال.

✦.....✦.....✦

رمضان المبارک اور ہماری کوتاہیاں

مولانا صلاح الدین سیفی

فرائض وواجبات کے علاوہ نفلی عبادات روح کے لئے بمنزلہ دوا کے ہے اور گناہوں سے بچنا بمنزلہ پرہیز کے ہے۔ ظاہر ہے کہ جسمانی صحت حاصل کرنے کے لئے دوا کے مقابلے میں پرہیز بے حد ضروری ہوتا ہے، بد پرہیزی کے ساتھ صحت حاصل ہونا بہت مشکل ہے، بالکل اسی طرح روحانی صحت کے لئے بھی گناہوں سے بچنا بے حد ضروری ہے۔

آج ہمارا کیا حال ہے ؟ آج ہمارے اندر سب سے بڑی کوتاہی اور کمی یہی ہے کہ عبادت اور طاعت تو کچھ کر ہی لیتے ہیں لیکن ان کے ساتھ گناہوں اور کوتاہیوں سے پرہیز بالکل نہیں کرتے، اسی بنا پر ہماری حالت جوں کی توں رہتی ہے۔ تعلق مع اللہ اور روحانی صحت میں اضافہ محسوس نہیں ہوتا۔

چنانچہ ماہِ رمضان المبارک جو بہت مبارک مہینہ ہے گویا صحت روحانی حاصل کرنے کا موسم بہار ہے، ہر سال آتا ہے اور گذر جاتا ہے، مگر ہماری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، جو حال رمضان سے پہلے تھا بعد میں بھی وہی رہتا ہے۔ غور کرنے اور اپنا جائزہ لینے سے اس کی وجہ یہی بد پرہیزی معلوم ہوتی ہے۔

تجربہ کی بات : تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اگر آدمی گناہوں سے پرہیز کرتا ہے تو سال کا ایک حصہ نیکیوں میں اور اچھے کاموں کی ترغیب میں گذرتا ہے، اسی طرح دوسرے، تیسرے عشرہ کا حال ہے اور اگر ان میں سے کوئی عشرہ گناہوں میں گذر جاتا ہے تو سال کے تین حصوں میں وہ حصہ معصیت میں گذرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارا پورا رمضان کماحقہٗ نیکیوں کے ساتھ اچھا گذرے اور ہم سے کوئی معصیت اور کوتاہی نہ ہو جائے، انشاء اللہ پورا سال عافیت کے ساتھ نیکیوں میں گذرے گا۔

رؤیت ہلال کی کوتاہیاں : (۱) چاند دیکھنے میں غفلت کرنا کہ دوسرے دیکھیں گے اور ہمیں معلوم ہو جائے گا، حالاں کہ نبی ﷺ ہر ماہ چاند دیکھتے تھے اور شعبان ورمضان کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

(۲) چاند دیکھنے کی جگہ پر شور وشرابا اور ہنسی مذاق، چاند نہ ہو تو بھی بس یوں ہی مذاق میں کہتے ہیں کہ اس

عمارت کے بائیں جانب تھوڑا سا اوپر دیکھو وہاں چاند ہے حالاں کہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوتا، تو ایک ساتھ کئی گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جھوٹ، دھوکہ، ایذائے مسلم، ہلال سے مذاق وغیرہ۔ اب جس کے رمضان کی ابتداء اتنے سارے گناہوں سے ہو تو وہ کیسے برکاتِ رمضان سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

(۳) چاند دیکھنے کے بعد دعا کا اہتمام نہیں کرتے حالاں کہ حضور محبوب ﷺ چاند دیکھنے کی دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَ رَبُّكَ اللّٰہ.

نوٹ : چاند دیکھنے کی دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا منقول نہیں ہے، لہٰذا بغیر ہاتھ اٹھائے دعاء مانگنا چاہئے۔

(۵) چاند نظر آنے کے بعد آتش بازی اور پٹاخے پھوڑنا، یہ غیروں کی مشابہت ہے جو حضور پرنور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے بالکل مخالف ہے۔ لہٰذا ان چیزوں سے پرہیز کرنا ہم پر ضروری ہے۔

تراویح کی کوتاہیاں : (۱) تراویح میں ایسے حافظ کا انتخاب ہو جو صاف پڑھنے والا ہو اور ادائیگی صحیح ہو، لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا حافظ مل جائے جو بہت تیز پڑھنے والا ہو تاکہ تراویح سے جلدی فارغ ہو جائیں۔ یاد رکھیں ایسی تلاوت جس میں حروف کٹتے ہوں اور مخارج سے ادائیگی نہ ہوتی ہو ناجائز اور موجب لعنت ہے، بس صرف دس پندرہ منٹ پہلے فارغ ہونے کی خاطر تراویح اور اس کی تلاوت کو برباد کرنا کوئی دانش مندی نہیں۔

(۲) تراویح میں اجرت معروف یا مشروط طور پر طے ہوتی ہے، یاد رکھئے، اجرت لینا اور دینا دونوں قطعاً حرام ہے اور لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا نہ ملے تو ''الم ترکیف'' سے پڑھ لینا چاہئے لیکن کرایہ کا حافظ نہ رکھنا چاہئے۔

(۳) بعض جگہ نابالغ بچوں کو امام بنا دیا جاتا ہے، یہ بالکل درست نہیں ہے بلکہ امامت کے لئے امام کا بالغ ہونا شرط اور ضروری ہے۔

(۴) جس طرح بیس رکعت تراویح پڑھنا سنتِ موکدہ ہے، اسی طرح تراویح میں ایک بار پورا قرآن کریم سننا ضروری اور سنتِ موکدہ ہے۔ جو لوگ امام کے ساتھ شریک نہیں ہوتے بلکہ امام کے رکوع کے انتظار میں رہتے ہیں ان سے اتنا حصہ قرآن کریم کا فوت ہو جاتا ہے، اس لئے یہ لوگ نہ صرف ایک ثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ نہایت مکروہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں کیوں کہ ان کا یہ فعل قرآن کریم سے اعراض کے مشابہ اور منافقانہ ہے۔

(۵) ختم قرآن کریم پر شیرینی کی تقسیم کا التزام بہر حال قابل ترک ہے۔

سحری کی کوتاہیاں : (۱) بعض لوگ آدھی رات کو سحری سے فارغ ہو جاتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ مقصد سحری اور سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہے، اسی طرح سحری میں اتنی تاخیر کرنا کہ صبح صادق کا

شبہ ہونے لگے، اس سے بھی احتیاط کریں، کم سے کم چھ سات منٹ قبل فارغ ہو جائیں تا کہ شیطان روزہ میں شک نہ ڈال دے۔

(۲) اسی طرح سحری کھانے کے بعد بعض حضرات پان وغیرہ کے عادی ہوتے ہیں، ان کو احتیاط سے کام لینا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سحری کا وقت ہو چکا ہو اور آپ پان وغیرہ میں مشغول ہوں۔

روزہ میں کوتاہیاں : (۱) بعض لوگ چھوٹے چھوٹے معمولی عذروں میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں، مثلاً ڈیوٹی، ملازمت، محنت والے کام اور گرمی وغیرہ کا عذر کر کے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ جو بہر حال نا قابل اعتبار ہے اور بلا شبہ یہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر کے کہنے سے ہفتوں اور مہینوں کھانا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے حکم میں یہ غفلت اور سستی؟

(۲) بعض حضرات بلا عذر روزہ تو نہیں چھوڑتے لیکن عذر معتبر و غیر معتبر میں فرق نہیں کرتے۔ معمولی بہانے سے اور معمولی عذر سے روزہ توڑ دیتے ہیں، لیکن جب تک ایسا عذر قوی نہ پایا جائے جو شرعاً معتبر ہو روزہ توڑنا جائز نہیں۔

(۳) بعض حضرات یہ کرتے ہیں کہ عذر خود ہی اختیار کر لیتے ہیں، مثال کے طور پر روزہ نہ رکھنے کی غرض سے سفر شرعی کرتے ہیں، یہ سراسر حیلہ سازی ہے، جو ایک مؤمن اور اطاعت شعار بندہ کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے اور حق تبارک وتعالیٰ تمام نیتوں سے واقف ہیں۔

(۴) بعض حضرات عذر شرعی کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے لیکن دوسرے روزہ داروں کے سامنے کھاتے رہتے ہیں، گو یہ صورت روزہ داروں کے لئے باعث اجر ہے لیکن ان لوگوں کے حق میں بڑی بے شرمی اور سخت کوتاہی کی بات ہے۔

(۵) بعض حضرات ناسمجھ اور ناتواں بچوں کو خوب دھوم دھام سے روزہ رکھواتے ہیں اور ان کے روزہ رکھنے کی وجہ سے پورے محلے میں روزہ دار کے نام سے شرینی تقسیم کی جاتی ہے، پھر افطار کے وقت ان بچوں کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے اور اس کے علاوہ کچھ لوگ ان کے فوٹو اخبار میں بھی دیتے ہیں کہ مباہِ مبارک میں ان بچوں نے روزہ رکھا ہے، افسوس! کتنی حماقت بھری بات ہے۔

ان تمام جاہلی رسموں اور کوتاہیوں سے بالکلیہ اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

افطار کی کوتاہیاں : (۱) افطار کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ

ہماری عورتیں مرغن پکوان کی غرض سے کچن میں مشغول رہتی ہیں اور ہمارے مرد حضرات افطاری خریدنے کی غرض سے بازار میں مشغول رہتے ہیں۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک مزدور دن بھر مزدوری کرے، پھر جب شام کو تنخواہ لینے کا وقت ہو تو مزدور روپوش ہو جائے، کتنی بڑی حماقت ہوگی اور ہمارا معاملہ بھی یہی ہے کہ ہم نے بھی پورے دن بھوکے اور پیاسے رہ کر روزہ رکھا اور جب اجرت لینے کا وقت ہے اور مالک حقیقی اجرت کے ساتھ ساتھ مزید انعامات واحسانات کی بارش برسانے والے ہیں، اب لینے والے ہم مزدور ہی نہ ہوں تو یہ کتنی محرومی کی بات ہے، حالاں کہ ہمیں کرنا یہ چاہئے کہ ہم افطار کی خریداری افطار سے پہلے کر لیں اور ہماری عورتوں کو بھی چاہئے کہ وقت سے پہلے پکوان سے مکمل فارغ ہو جائیں اور افطاری کے قریب دعاؤں میں مشغول رہیں۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔

(۲) مرد حضرات افطار میں اتنے مشغول ہوتے ہیں کہ نماز باجماعت چھوٹ جاتی ہے، یہ بھی بڑی کوتاہی ہے کہ جماعت جیسی سنت موکدہ کو چھوڑ دینا صرف تھوڑا سا کھانے کی وجہ سے، حالاں کہ نماز کے بعد بھی کھا سکتے تھے مگر اتنا صبر بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح افطار میں اتنا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں کہ پھر نماز میں کھڑا ہونا دشوار ہو جاتا ہے اور نمازیں حتی کہ تراویح بھی غفلت میں گذرتی ہے۔ اس سے بھی احتراز کرنا چاہئے۔

اعتکاف کی کوتاہیاں : رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف نبی کریم ﷺ نے بہت اہتمام سے فرمایا ہے حتی کہ ایک مرتبہ کسی عذر کی وجہ سے نہ کر سکے تو آئندہ رمضان میں بیس دن اعتکاف فرمایا، پھر آپ ﷺ کے بعد ازواجِ مطہرات ؓ بھی اہتمام سے اعتکاف فرماتی تھیں لیکن آج ہم اس اہم عبادت سے بہت دور ہو گئے۔

چنانچہ اکثر لوگ اعتکاف میں بیٹھتے ہی نہیں حالاں کہ یہ سنت موکدہ علی الکفایہ ہے، ایک بھی شخص محلّہ کا نہ بیٹھا تو پوری بستی کے لوگ گناہگار ہوں گے۔ گاؤں، شہری کی کئی مسجدیں ایسی ہوتی ہیں جو معتکفین سے محروم ہوتی ہیں۔

ملازموں کو ملازمت سے، کاشت کاروں کو کاشت کاری سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیا کے لئے فرصت ہے اور آخرت کے لئے فرصت نہیں ہے حالاں کہ اصل زندگی آخرت کی ہے۔

بعض لوگ تو کرایہ پر آدمی کو اعتکاف میں بٹھاتے ہیں، یہ اعتکاف نہ کرنے سے بھی برا ہے۔ اسی طرح مسجد کے امام اور موذن کو مجبور کیا جاتا ہے اور مجبور وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں دین سے کوئی واسطہ نہیں، مسجد سے کوئی تعلق نہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ خود اعتکاف میں بیٹھتے اور اللہ سے لو لگاتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

شبِ قدر کی کوتاہیاں : بعض لوگ اس رات کی جستجو ہی نہیں کرتے، کوئی اہتمام نہیں ہوتا اور

اگر جاگ بھی لئے تو کوئی عبادت کا اہتمام نہیں ہے، صرف چائے نوشی اور مجلس بازی ہی مشغلہ بن کر رہ جاتا ہے۔ شہروں میں دیکھا گیا ہے کہ نوجوان رات میں کرکٹ، کیرم بورڈ وغیرہ کھیلوں میں مصروف ہوجاتے ہیں، بازاروں کی زینت بن جاتے ہیں، رات دیر تک چوراہوں پر بیٹھے رہتے ہیں اور بعض علاقوں میں ایسی شرارتیں کرتے ہیں کہ حکومت کو اس رات مستقل حفاظتی انتظامات کرنے پڑتے ہیں، جگہ جگہ پولیس کو بٹھایا جاتا ہے۔

یہ رات تو اللہ کا قرب حاصل کرنے کی رات تھی، لیکن افسوس ہم نے اس کی قدر نہ کی اور شیطان کو راضی کرلیا، کتنے افسوس کی بات ہے۔

اسی طرح بعض علاقوں میں مسجدوں کو طرح طرح سجایا جاتا ہے، چوراہوں پر قمقمے لگائے جاتے ہیں اور بجلی کا کنکشن حکومت کے نصب کردہ بجلی کے ستونوں سے لیا جاتا ہے، جو بجلی کی چوری ہے۔ کتنی سنگین بات ہے جو آدمی اس مبارک رات میں ایسے کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو، وہ کیسے اس رات کی برکتیں پاسکتا ہے؟

شب عید کی کوتاہیاں : شب عید بڑی برکت والی رات ہے، اسی رات میں روزہ داروں کو ان کی محنت کا صلہ دیا جاتا ہے۔ احادیث میں اس کے بڑے فضائل آتے ہیں، اس کو بھی لایعنی مصروفیات میں برباد کردیتے ہیں۔

اکثر لوگ تو اس کو عبادت کی رات سمجھتے ہی نہیں، فضیلت کی رات شمار ہی نہیں کرتے، اس قدر مبارک رات کو بازاروں میں ضائع کردیتے ہیں اور بھی بہت ساری کوتاہیاں ہیں جن کو احاطۂ تحریر میں لانا طوالت کا سبب ہے۔ لہٰذا اس کو ترک کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس رمضان کو زندگی کا بہترین رمضان بنائے، رمضان کی ساری برکتوں سے ہمیں مالا مال فرمائے اور ہر قسم کی بے ادبی اور کوتاہیوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

✦.....✦.....✦

اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

مفتی محمد عظیم فیض آبادی
استاذ دار العلوم النصرہ، دیوبند

قرآن کی عظمت کو ہم دل میں بسائیں گے ☆ پیغام خدا ہے یہ دنیا کو سنائیں گے

قرآن کریم خدا وہ آخری عالمگیر پیغام ہے جو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے، سورۂ ابراہیم کی ابتدائی آیتوں کے اندر اس مقصد کو اللہ رب العزت نے بڑے واضح انداز میں بیان کیا الٓر ٰ کِتٰبٌ انزلنٰه اليك لتخرج الناس من الظلمات الى النور باذن ربهم الیٰ صراط العزيز الحميد کہ یہ قرآن ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اس لئے آپ پر نازل فرمایا تا کہ آپ اس کے ذریعہ تمام عالم کے انسانوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں اور برے کاموں کے اندھیریوں سے نجات دلا کر ایمان و ہدایت اور حق کی روشنی میں لے آئیں۔

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام بنی نوع انسان کو برائیوں کی اندھیریوں سے نکالنے اور روشنی میں لانے کا واحد ذریعہ اور انسان و انسانیت کو دنیا و آخرت کی بربادی اور ہلاکت سے نجات دلانے کا واحد راستہ قرآن کریم ہے، جتنا جتنا لوگ اس کے قریب آئیں گے اسی انداز سے ان کو دنیا میں بھی امن و امان اور عافیت و اطمینان نصیب اور آخرت میں بھی فلاح اور کامیابی و کامرانی حاصل ہوگی اور جتنا جتنا لوگ اس سے دور ہوں گے اتنا ہی دونوں جہاں کی خرابیوں، بربادیوں، مصیبتوں اور پریشانیوں کے عمیق غار میں گریں گے۔

قرآن کریم کا یہ بھی خاصہ ہے کہ اس کی تلاوت اور بلا سمجھے ہوئے اس کے الفاظ کا پڑھنا بھی انسان کے نفس پر اثر انداز ہوتا ہے، برائیوں اور گناہوں سے بچنے میں مدد دیتا ہے، کم از کم کفر و شرک کے کیسے ہی خوب صورت جال ہوں قرآن کریم پڑھنے والا اس کے جال میں نہیں پھنس سکتا ہے۔ ہندوؤں کی تحریک شدھی سنگٹھن کے زمانے میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ اس کے دام میں صرف وہی لوگ آئے جو قرآن کی تلاوت سے بھی بیگانہ تھے، آج عیسائی و قادیانی مشنریاں مسلمانوں کے ہر خطے میں طرح طرح کے سبز باغ دکھلاتی اور سنہرے جال لئے پھرتی ہیں، لیکن ان کا اگر کوئی اثر پڑتا ہے تو صرف ان گھرانوں پر جو دین و اسلام سے بے گانے اور قرآن کی تلاوت سے بھی غافل ہیں، خواہ جاہل ہونے کی وجہ سے یا نئی تعلیم کے غلط اثرات کی وجہ سے۔

قرآن کریم کا چھونا، اس کا دیکھنا اور اس کا پڑھنا اجر وثواب سے خالی نہیں، اگر چہ بے سمجھے ہی پڑھا جائے، قرآن کریم اپنے اندر وہ تاثیر اور سحر انگیزی رکھتا ہے کہ نہ جاننے نہ ماننے اور نہ سمجھنے والے بھی اس کو سن کر دم بخود ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قندیل نبوت کو ہمیشہ کے لئے بجھانے کا ناپاک ارادہ لے کر بارگاہ نبوت میں جارہے تھے، مگر اپنی بہن کے گھر قرآن سن کر حلقہ بگوش اسلام ہو کر اسلام کے ایسے جانباز سپاہی اور ایسے جاں نثار بنے کہ ان کی سیرت سے تاریخ اسلام کے زریں اوراق بھرے پڑے ہیں اور جن کے کارنامے تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

انہیں کے کارناموں سے متاثر ہو کر عیسائیوں نے کہا کہ اگر اسلام کو ایک اور عمر نصیب ہو جاتا تو دنیا کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں پھیل جاتا، خود ان کے قبول اسلام کا جو تاریخ ساز واقعہ پیش آیا وہ بھی تاریخ میں انمٹ نقوش بن کر رہ گیا یہ قرآن کریم کی تاثیر اور اس کی سحر انگیزی ہی ہے کہ سننے والوں کے سینوں میں اترتا چلا جاتا ہے، اسی لئے بعض کفار جب قرآن سنتے تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے تھے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ☆ اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی ☆ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

قرآن کریم کی عظمت کو ایک جملے میں سمجھنے کے لئے قرآن کریم کا یہ اعجاز کافی ہے کہ وہ جس حالت میں اللہ رب العزت کی جانب سے نازل ہوا تھا بلا کم وکاست اسی طرح آج تک محفوظ ہے، اس کے زیر کو زبر اور زبر کو پیش میں بدلنے کی نہ کوئی جرأت کر سکا اور نہ ہی اس میں کوئی حذف وترمیم ہو سکی ہے۔ دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ خوش قسمت قوم ہے جن کے پاس اللہ کا کلام بالکل محفوظ، تمام تحریفات سے پاک، ٹھیک ٹھاک انہی الفاظ میں موجود ہے جن الفاظ میں وہ اللہ کے رسول برحق پر اترا تھا، لیکن دنیا مین اس وقت مسلمان ہی وہ بدقسمت قوم ہے جو اپنے پاس اللہ کا کلام رکھتے ہیں اور پھر بھی اس کی برکتوں سے محروم اور اس کی بے حد وحساب نعمتوں سے دور رہتے ہیں۔ قرآن کریم کے پاس اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اس کو سمجھ کر پڑھیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ قرآن کریم ان کو عزت بخشنے کے لئے آیا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق عمل کیا تو قرآن کریم نے ان کو دنیا کا امام بنا کر دکھایا، یہ قرآن ہی کی برکت تھی کہ افریقہ کے جنگلوں میں رہنے والے درندوں نے بھی صحابہ کرامؓ کے لئے جنگل خالی کر دیئے، یہ قرآن کریم ہی کی برکت کا نتیجہ تھا کہ دشت وصحرا بھی صحابہ کرامؓ کے لئے ان کے مشن کی تکمیل میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

بات کیا تھی کہ نہ قیصر وکسریٰ سے دبے ☆ چند وہ لوگ کہ اونٹوں کے چرانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا ☆ بن گئے دنیا کی تقدیر بنانے والے

وہ قرآن کریم پڑھتے تھے، اس پر عمل کرتے تھے، وہ قرآن کے عاشق تھے، قرآن ان کی زندگیوں میں رچا بسا تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے دنیا کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا تھا، مگر آج قرآنِ کریم عام مسلمانوں کے گھروں میں طاق کی زینت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب لوگوں نے اس کتاب سے اپنی زندگی کے معاملات میں ہدایت مانگنا ترک کر دیا، اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں اور ہمارے اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔ ہم زندگی کس طرح بسر کریں اور ہم انہیں کس طرح ادا کریں، ہمارے لئے حق کیا ہے باطل کیا ہے؟ ہمارے لئے کامیابی و کامرانی، فلاح ونجات کس چیز میں ہے اور ذلت ورسوائی، تباہی و بربادی، ناکامی اور خسارہ کس چیز میں ہے۔ خود قرآن کریم کی زبان میں یہ سعادت و نیک بختی کا سرچشمہ ہے، شقاوت و بدبختی کا نہیں، یہ قطعی ناممکن ہے کہ کوئی قوم خدا کے کلام کی حامل ہو اور وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہو، اس پر دنیا میں ظلم وزیادتی ہو، اس کا یہ انجام صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ قوم کلامِ الٰہی سے روگردانی کرتی ہو۔

بنی اسرائیل کا انجام ہم جانتے ہیں، ان کے پاس تورات وانجیل بھیجی گئی تھی اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ تورات وانجیل اور ان کتابوں کی اطاعت وپیروی پر قائم اور ان احکام پر عمل پیرا رہتے جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجے گئے تھے تو ان پر آسمان سے رزق برستا اور زمین سے رزق ابلتا مگر انہوں نے اللہ کی کتابوں پر ظلم کیا تو اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ ان پر ذلت ومحتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ غضب الٰہی میں گھر گئے۔

یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے تھے، وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے اور اس لئے کہ وہ اللہ کے نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے تجاوز کر گئے تھے، لہٰذا جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر بھی ذلیل وخوار اور محکوم و مغلوب ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ ضرور کتاب الٰہی پر ظلم کر رہی ہے اور اس پر یہ سارا وبال اسی ظلم کا نتیجہ ہے۔ اقبال مرحوم نے اسی کا نقشہ کھینچا ہے ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر ☆ اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

خدا کے اس غضب سے نجات پانے کی کوشش کی جائے، یعنی اس کی تلاوت اور اس کے پڑھنے، سیکھنے اور اس کے احکام پر عمل کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا جائے۔

اگر مسلمان اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے نہیں پکڑیں گے اور قرآن مقدس کے ساتھ اعراض وروگردانی مزید دراز ہوئی تو ذلت وخواری کی حالت ہرگز نہ بدلے گی، خواہ گلی، کوچوں تک مدارس، مکاتب، کالج و یونیورسٹیاں کھول دی جائیں، شاید اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا محمد مصلح علیہ الرحمہ نے کہا تھا ؎

غیروں کی مصلحت پسندی پر اور اپنی غافل ہستی پر ☆ کرنا ہے تمہیں احسان اگر قرآن پڑھو، قرآن پڑھو

✦.....✦.....✦

(دوسری قسط)

دیوبند کے دو سپوت

❖ ڈاکٹر عبید اقبال عاصم / علی گڑھ

عقیل محزوں نیازی مرحوم : منشی مہدی حسن مرحوم کے دوسرے صاحب زادے عقیل مہدی تھے جو اپنی شاعرانہ طبیعت کے باعث محزوں تخلص کرتے تھے اور نیاز فتحپوری سے اپنے کلام پر ایک دو مرتبہ اصلاح لینے کے باعث 'نیازی' نسبت کو بھی بطور تخلص اختیار کیا۔

عقیل صاحب مرحوم بلا کے شاعر تھے، اشعار کی برجستگی، مضامین کی بندش، الفاظ کی نشست و برخاست، ردیف وقوافی کی رعایت کی صلاحیت ان میں خداداد تھی۔ کسی استاذ کی مدد کے بغیر اس ناتراش ہیرے نے جہاں دیوبند کے معلوم و نامعلوم بلا تخصیص مذہب وملت سینکڑوں افراد کے ''سہروں'' کے پھول سجا کر اور اس سہرے میں اعزاء واقرباء کے ناموں کی لڑیاں پرو کر شادی کی خوشیوں کو دوچند کیا وہیں بہت سی دوشیزاؤں کی ایسی مثالی ''رخصتیاں'' بھی لکھیں جن میں بچیوں کو دلنشیں پیرائے میں سسرال میں رہنے کے طریقے بھی سکھائے جاتے، شوہر کی خدمت کی تعلیم بھی دی جاتی اور نئی نسل کی تربیت کے فریضہ سے بھی آگاہ کرایا جاتا اور یہ سب اسلامی تعلیمات کے مطابق کرنے کی تلقین کی جاتی۔ اس دور کے رواج کے مطابق سہرے ورخصتی گھروں میں پڑھے جاتے تو عجیب سا سماں بندھتا۔ عقیل صاحب مرحوم کے لکھے گئے بعض سہروں نے تو ایسی تاریخی شہرت اختیار کر لی کہ نصف صدی گزر جانے کے باوجود بھی بہت سے معمر حضرات کی زبان پر ''آج کی تازہ خبر'' بنے ہوئے ہیں۔ بہرحال یہ تو سہروں اور رخصتیوں کی بات تھی جو وقتی شاعری بلکہ خوشیوں کے لمحاتی اضافہ کے لئے ہوتی ہیں۔ عقیل صاحب مرحوم اپنے وجود کے اندر ایک ایسا دھڑکتا دل رکھتے تھے جو ملت کا سوز بھی رکھتا تھا اور انسانیت سے معمور بھی، اس میں محبت کی چاشنی بھی پائی جاتی اور غم ورنج کی کیفیت بھی۔ وہ جہاں ؎

چاندنی رات اور پچھلے پہر　　یوں پرافشاں ہیں نیند کے سائے
جس طرح خلوت تصور میں　　ایک حسینہ ہو زلف بکھرائے

جیسے اشعار کہہ کر کلاسیکی غزل گوئی پر قدرت کا اظہار کراتے ہیں۔ وہیں مرحوم نے آزادی کے بعد ہندوستان

کے بدلتے سیاسی حالات جرائم وکرائم کی سیاسی پشت پناہی، تہذیب کے کروٹ لیتے مناظر میں عزت وناموس کی پامالی جیسے حالات کا اظہار بھی اس انداز سے کیا ہے جو ان کے اندرونی کرب ورنج کو ظاہر کرتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

عصمت مریم وسیتا کا لہو بہتا ہے — سرنگوں دیر ہے، خاموش حرم کا افسوں
پیچ درپیچ سلگتی ہوئی لاشوں کا دھواں — موج درموج یہ پامال سی قبروں کا سکوں
زندگی نوحہ کناں آج بھی کٹیاؤں پر — رنگ محلوں میں روا آج بھی انسان کا خوں
جھوٹی عظمت کیلئے کھوکھلی شہرت کے لئے — تم نے ڈالے ہیں حجابات کئی گوناگوں

ان جیسے اشعار سے محزوں صاحب نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اظہار حقیقت میں وہ زبان سے بھلے ہی کم بولتے ہوں لیکن اپنے خیالات وافکار کو قلم کے ذریعہ کاغذ پر منتقل کرنے میں ان کی حالات پر گہری نظر رہتی ہے اور وہ اپنے احساسات کو بیان کرنے میں کسی سمجھوتے کے قائل نہیں۔

عقیل صاحب مرحوم کم گو ضرور تھے لیکن ان کے مطالعہ کی عالم گیریت اور وسعت و ہمہ گیریت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ملت کے تئیں ان کے اندر جو تڑپ تھی وہ کسی علاقہ یا خطہ کے لئے مخصوص نہیں تھی، بلکہ بقول شاعر ''سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے'' کے مانند دنیا کے کسی بھی خطہ پر ملت کے تعلق سے کوئی واقعہ رونما ہوجاتا تو ان کے احساسات الفاظ کے قالب میں ڈھل کر شعر کی صورت اختیار کرلیتے۔ مسلم اکثریت پر مشتمل افریقی ملک الجزائر جو اس وقت آزادی کی کروٹ لینے کے لئے بیچین تھا اور وہاں پر حکمرانوں کے ذریعہ مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم کے تمام دروازے کھولے جارہے تھے، پوری ملت اسلامیہ میں اس کی وجہ سے جو اضطراب پایا جاتا تھا اس نے ہر صاحب ایمان شخص کو بے چین کردیا تھا عقیل صاحب مرحوم الجزائر کے حالات سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہے انہوں نے اپنی بے چین کیفیت کا اظہار ملت اسلامیہ کے ایک فرد کی حیثیت سے اس انداز سے کیا ہے جس میں جوانوں کے شوق جذبہ شہادت کی حوصلہ افزائی بھی ہے اور ملی تڑپ بھی اظہار حقیقت بھی ہے اور خوش آئند مستقبل کے اشارات بھی۔ فرماتے ہیں کہ ؎

مشتعل خوں سے بھبھکتے ہوئے داغوں کی زمیں — ٹمٹماتے ہوئے زخموں سے سلگتے ہوئے شہر
برق افروز کراہوں کی شرربار فضاء — سرخ لاوے کی طرح کھولتے احساس کی لہر
پھانسیاں تیرے شہیدوں سے گلے ملتی ہیں — موت ہنس ہنس کے اشاروں سے بلاتی ہے انہیں
جستجو جن کی اٹل ہو وہ جھجکتے ہیں کہیں — منزل شوق نگاہوں پہ بٹھاتی ہے انہیں
گرم رفتار بگولوں کے یہ چکراتے بھنور — آمد فصل بہاراں کا پتہ دیتے ہیں
سربکف جوش بغاوت میں بہکتے لمحے — اک نئے دور کے انسا ں کا پتہ دیتے ہیں

بربریت کے خداؤں کو بہک لینے دے گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک
کھلبلی سی ہے اندھیروں کے شہنشاہوں میں دست رس رات کی ہے صرف سحر ہونے تک

عقیل محزوں نیازی مرحوم نے اپنے بڑے بھائی جمیل مہدی کی روش پر چل کر صحافت کے میدان میں بھی قدم رکھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے، ۱۹۵۷ء میں مرحوم نے دیوبند سے ایک سہ روزہ اخبار 'مرکز' کے نام سے جاری کیا جس کی اداریہ نگاری جمیل مہدی مرحوم صاحب کے ذمے تھی اور بقیہ ادارتی امور کی ذمے داری عقیل محزوں مرحوم کی، لیکن یہ اخبار زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکا، اس وقت کے ملک کے مؤقر ترین اخبارات میں شمار ہونے کے باوجود ایک سال بعد ہی انتظامی و مالی دشواریوں کے باعث اسے بند کرنا پڑا۔

عقیل محزوں نیازی مرحوم میں شعر گوئی کی صلاحیت فطری تھی وہ اگر اپنی قدر جاننے کے خوگر ہو جاتے تو اس وقت کے بہت سے شہرت یافتہ، اسٹیج کے فاتح شعراء یا بقلم خود بہت سے ''صاحب کلام وصاحب دیوان'' شاعروں سے کہیں آگے بڑھ جاتے، اگر اپنا کلام محفوظ کر لیتے اور ان کے وارثین اسے طبع کرا دیتے تو یہ اردو ادب کے صدقہ جاریہ کے ساتھ ساتھ وارثین کی معاشی بہتری کا بھی ضامن ہوتا۔ انہوں نے باقاعدہ شرف تلمذ کسی سے حاصل نہیں کیا۔ لیکن جب ان کی کچھ غزلیں بڑے بھائی جمیل مہدی مرحوم کی نظروں کے سامنے آئیں تو انہوں نے اس وقت کے معروف شاعر نیاز فتح پوری کو بغرض اصلاح دکھائیں تو انہوں نے محزوں مرحوم کو قدرت الکلامی کا سرٹیفکیٹ عطاء کر دیا۔ اس احسان کا بدلہ محزوں صاحب مرحوم نے ''نیازی'' کا لاحقہ مستقل اپنے ساتھ لگا کر نیازمندانہ انداز سے چکایا۔

عقیل صاحب مرحوم نے زندگی کا بیش قیمت حصہ خاموشی کے ساتھ بسر کیا، باقاعدہ تلاش روزگار کی نہ تو کبھی کوئی جستجو کی اور نہ ہی کسی کے رہین منت ہوئے۔ مرحوم کی شادی ۱۹۶۲ء میں مجاہد جنگ آزادی دارالعلوم دیوبند کے اہم ترین رکن سید شفیع احمد صاحب مرحوم کی دختر نیک اختر سے ہوئی لیکن ان کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ اپنی زندگی جس ڈھرے پر پہلے گزار رہے تھے اسی طرز پر گامزن رہے۔ بہت سے عزیزوں کو ان کی معاش کی فکر دامن گیر رہتی تھی، لیکن اللہ کا یہ نیک نفس قانع وشاکر بندہ ان تمام افکار سے آزاد ہی رہا۔

ان کے برادر نسبتی مولانا سید راحت ہاشمی صاحب ان دنوں آل انڈیا ریڈیو سے منسلک تھے اور ساغر نظامی صاحب آل انڈیا ریڈیو کے افسر رابطہ کار، ریڈیو میں اسکرپٹ رائٹر کی ایک جگہ نکلی ہاشمی صاحب نے کافی کدوکاوش کے بعد نظامی صاحب مرحوم اور محزوں صاحب مرحوم کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ ان کا الحاق آل انڈیا ریڈیو سے ہو جائے۔ وقت مقررہ پر انٹرویو کے لئے گئے تو پینل میں ایک ایسے صاحب کو ایکسپرٹ کی حیثیت سے بیٹھے دیکھا جن کو وہ اپنے وطن میں متعدد بار دیکھ چکے تھے اور ان کی شعر گوئی پر مسلسل تنقید کرتے تھے۔ محزوں صاحب مرحوم کی

غیرت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ وہ اس ملازمت کے چکر میں ان صاحب کے زیر بار ہو جائیں یا وہ ان پر کوئی احسان کریں۔ وہیں سے واپس لوٹ آئے اور ملازمت کے انٹرویو سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گئے۔

عقیل صاحب مرحوم نے اپنی زندگی میں کبھی کہا تھا کہ ؎

خیال گریہ نہ احساس حادثات ابھی　　غم حیات ہے پابند رسمیات ابھی
زمانہ تیری فسوں کاریاں نہیں سمجھا　　حقیقتیں ہیں خراب توہمات ابھی
دکھا رہا ہوں زمانے کو انقلاب کا رخ　　مری نظر میں ہے تقدیر کائنات ابھی
شررفشاں ہیں لبوں پر گھٹی گھٹی آہیں　　بقدر ذوق طلب ہے غم حیات ابھی

سحر کے بعد بھی ہوتا ہے یہ گماں محزوں
کہ جیسے باقی ہے کچھ اور غم کی رات ابھی

مرحوم کے یہ اشعار ان کی زندگی پر تب صادق آئے جب وہ آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس میں علاج کے لئے بھرتی ہوئے لیکن وہ ان کا مرض الوفات ثابت ہوا۔

بیڑی کے ہر کش میں غم دوراں کو اڑا دینا مرحوم کے معمولات میں شامل رہا، بیڑی کی کثرت نوشی نے غم روزگار سے چھٹکارا دلانے کی یہ صورت اختیار کی کہ ان کے پھیپھڑوں میں شب خون مار کر اپنی جگہ بنالی اور اس میں اپنی موجودگی کے ثبوت فراہم کرنے کے لئے انہیں ''تپ دق'' کا مریض بنا دیا۔ بدقسمتی سے علاج بھی اس انداز سے نہیں ہو سکا، کچھ نیم حکیموں کے تجربات نے انکی زندگی کو مختصر کرنے میں بایں طور معاونت کی کہ نیم علاجی سے ٹی بی کو کینسر میں تبدیل کر دیا۔ جب تک ان تمام عوارضات کا پتہ چلا تب تک ملک الموت محزوں صاحب مرحوم کو اپنا شکار بنا چکی تھی چنانچہ علاج کی تمام تدابیر ناکام ہوئیں، چودہ، پندرہ دسمبر 1972 کی درمیانی شب میں اپنے برادر نسبتی راحت ہاشمی اور اپنے عزیز دوست حافظ سراج مرحوم کے بازوؤں میں آخری ہچکی لیکر نہایت آسانی کے ساتھ ملک الموت کو جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ دیوبند میت لائی گئی جہاں پر بوڑھے باپ، منشی مہدی حسن کی قیادت میں جوان بیٹے کے جنازہ کی نماز کا احاطہ مولسری گواہ بنا۔ منکسر المزاج عقیل محزوں مرحوم قبرستان قاسمی کے ''شہر خموشاں'' کے پیوند خاک بن گئے اور دنیا کے ہر غم سے نجات پا کر اس اللہ کے حضور حاضر ہو گئے جس کی صفت ''غفّار الذنوبی'' بھی ہے اور ''ستّار العیوبی'' بھی۔ اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے مرحوم کی مغفرت اور درجات کی بلندی عطاء فرمائے، آمین۔

۱۹۳۰ء میں پیدا ہونے والے اور نہایت کم عمری میں والدہ کے سایے سے محروم ہونے والے محزوں صاحب مرحوم نے زندگی کی بیالیس بہاریں دیکھنے کے بعد دنیا سے اس حالت میں کنارہ کشی اختیار کی کہ ان کے پیچھے

سوگواروں میں مغموم والد کے علاوہ ایک بڑے بھائی معروف صحافی جمیل مہدی، ایک بیوہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی موجود رہے۔ تقریباً چھ ماہ بعد اس صدمہ سے بوجھل والد مرحوم بھی دار بقاء کی طرف چل دئے، کچھ سالوں بعد جمیل مہدی مرحوم بھی اسی آخری منزل کے راہی ہوگئے جو ہر ذی نفس کی قسمت ہے۔ بیوہ الحمدللہ تا ہنوز حیات ہیں۔ کم عمری میں بچوں کی ذمہ داریوں کو ادا کر کے بڑے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلائی جو ماشاءاللہ اس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں انگریزی زبان کے ایسوسی ایٹ پروفیسر، عدیل مہدی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی فیصل مہدی اپنے جدی طباعت واشاعت کے کاروبار سے وابستہ ہیں، بیٹی رخشندہ روحی اردو کی عظیم افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ جامعہ ملیہ اسلامیہ اسکول میں تدریسی فرائض بھی انجام دے رہی ہیں۔

مرحوم نے اپنی غیرت وحمیت، کسرِ نفسی اور سخت ترین مالی مسائل کے باعث اپنی زندگی عسرت کے ساتھ بسر کی لیکن کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا نہیں کیا، الحمدللہ آج ان کے نونہالوں نے اپنی محنت، لگن اور جدوجہد سے ایسا مقام بنالیا ہے جس میں مالی خوش حالی بھی ہے اور سماجی اعتبار بھی۔

نہ جانے کس عالم میں اور کس جذبے کے ساتھ مرحوم نے ''محزوں'' تخلص اختیار کیا تھا کہ ''حزن'' نے جیتے جی ان کا پیچھا نہ چھوڑا مرحوم کے چلے جانے سے دیوبند کے ادبی منظر نامہ نے انہیں اس انداز سے جگہ نہیں جس کے وہ مستحق تھے۔ اس کی واحد وجہ مرحوم کا بے ترتیب طرز حیات ہی معلوم ہوتا ہے، کاش کہ مرحوم کا پورا کلام محفوظ ہوتا تو اردو ادب میں بیش قیمت اضافہ ہوتا۔

(ختم شد)

✦.....✦.....✦

تعلیمی رِپورٹ

بموقع جلسہ انعامیہ، جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند
منعقدہ ۴ رشعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۲ رمئی ۲۰۱۶ جمعرات

الحمد لولیه و الصلاة علٰی حبیبه.

حضرات گرامی قدر اور عزیز طلبہ!

علم انسانیت کا امتیاز ہے، سیدنا ابوالبشر کو اسی سے ملائکہ پر فضیلت ملی، آخری کتاب وحی کا سرنامہ ہے، جس کا آغاز ہی اقرأ سے ہوا اور سید الانبیاء کی بعثت کا اہم ترین مقصد ہے، جنہوں نے **انما بعثت معلماً** کہہ کر اس کی وضاحت فرمائی، واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی آمد سے علم کا بول بالا ہوا اور یہ پہلا مذہب ہے جس نے علم کو فرض قرار دیا۔ میرے سامنے اس وقت دو طرح کے طلبہ عزیز ہیں، کچھ وہ ہیں جن کا تعلیمی سلسلہ جاری ہے اور کچھ وہ ہیں جو رسمی فراغت پاکر پابہ رکاب ہیں۔

پہلی قسم کے طلبہ سے عرض ہے کہ حضرت حق جلد مجدہ نے علم کی دو قسمیں کی ہیں، ایک فرض عین ہے اور دوسری فرض کفایہ، فرض عین کے لئے فرمانِ رسالت ہے **طلب العلم فریضة علٰی کل مسلم** اور فرض کفایہ کا تذکرہ رب ذوالجلال نے یوں فرمایا ہے **فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ.** حاصل کلام یہ نکلا کہ علم کی ایک خاص قسم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ ہے دین کی بنیادی باتوں کا علم اور دوسری قسم ایک مخصوص طبقے پر فرض کی گئی ہے اور وہ ہے دین کے ہر حکم کا جاننا اور پیش آمدہ مسائل کا حل بتانا، پہلی قسم کی ذمے داری مکاتب، تبلیغی جماعت اور اس نوع کے دیگر ادارے انجام دے رہے ہیں اور دوسری قسم کا بیڑا مدارس اسلامیہ نے اٹھا رکھا ہے۔ یہ تفصیل اس لئے کی گئی کہ زیر تعلیم طلبہ یہ سمجھیں کہ ان کی ذمہ داری کتنی بھاری اور ان کا کام کس قدر نازک اور حساس ہے۔ ان کی حیثیت ان سرحدی چوکیداروں کی ہے جن کے سہارے ساری قوم سو رہتی ہے کہ دشمن کے حملوں سے وہ ہمارا تحفظ کریں گے۔ فقہ حنفی کے مدون اعظم حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت! آپ راتوں رات جاگ کر علم و تحقیق کے حوالے سے اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ لوگ راتوں کو بے فکر ہو کر اس لئے سوتے ہیں کہ دن میں کوئی مسئلہ درپیش ہوگا تو محمد اس کا حل

بتائے گا۔ اگر میں بھی سو رہوں تو امت کی اس ضرورت کی تکمیل کون کرے گا؟ بنا بریں آپ کی یہ ذمے داری ہے کہ ایک ایک لمحے کی قدر کریں۔ علم کے رسیا بنیں، کتابوں کے مطالعے و تکرار کو فطرتِ ثانیہ بنائیں اور اس راہ میں آنے والی پریشانیوں کو راہ کی گرد سمجھ کر انگیز کریں۔ یاد رکھیں کہ یہ وقت پھر آنے والا نہیں ہے۔ عمر عزیز کا یہ وہ مرحلہ ہے جب جسمانی و دماغی قویٰ اپنے عروج پر ہوتے ہیں، اس وقت آپ کے لئے علمی حوالے سے کچھ بھی بننا بہت آسان ہے۔ نحو و صرف، ادب و فقہ اور تفسیر و حدیث سارے ہی فنون آپ کے لئے انتہائی دل چسپی کے ہیں، ان سب سے بہرہ ور ہونا یا کسی خاص موضوع میں خصوصیت پیدا کرنا آپ کے لئے اور مسلم امہ کے لئے وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

وہ طلبہ جو فارغ ہو رہے ہیں اور آئندہ انہیں تعلیمی سلسلہ جاری نہیں رکھنا ہے ان سے یہ عرض ہے کہ انہوں نے تھوڑا حاصل کیا یا زیادہ، اب اس پر پچھتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سوچ کر خوش ہوں کہ رب کریم نے انہیں زمرۂ علماء میں شامل کر دیا، وہ یہ طے کر لیں کہ جزء وقتی ہی سہی دین کے کسی سلسلے سے جڑے رہنا ہے، یہ چیز دین سے ان کی مضبوط وابستگی کا ذریعہ ہوگی۔ نیکی، قناعت، ایثار، استغناء، خوش اخلاقی، تواضع و فروتنی اور اعتدال مزاجی کو اپنا شعار بنائیں کہ یہی آپ کے بڑوں کی میراث رہی ہے۔ دنیا کے پیچھے مت بھاگیں، **نعم الامیر علی باب الفقیر** کا مصداق بنیں، تقویٰ و غیرت کی ٹوٹی ہوئی چٹائی کے سامنے امراء کی مسندیں اور شاہوں کے تخت ہمیشہ جھکے ہیں۔ آپ کو عزت و اعتبار انہیں طریقوں سے حاصل ہوگا، جن سے آپ کے اکابر کو حاصل ہوا، دنیاداروں کے طور طریق سے عزت کا حصول درحقیقت خود کو ذلت و نکبت کے گہرے گڑھے میں ڈالنا ہے۔

علاوہ ازیں آپ کے لئے سب سے اہم پیغام یہ ہے کہ آپ میں اور عام لوگوں میں صرف حلیے اور یونیفارم کا فرق نہ رہے بلکہ اپنے کو اسوۂ نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں، دنیا کو دلائل نے کم کردار نے زیادہ متاثر کیا ہے، خود پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ اس کی بہترین شاہد ہے۔ ایک موقع پر جب ایک مستشرق نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی ہے تو نامور داعی اسلام شیخ احمد دیدات نے برجستہ فرمایا کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر وہ شمشیریں کیسے وجود میں آئیں؟ الغرض تبلیغ دین اور اصلاح معاشرہ میں کردار کا سب سے اہم رول ہے، افریقہ، ملیشیا، انڈونیشیا مالدیپ، ترکستان اور برصغیر کے بڑے حصے کو حلقہ اسلام میں لانے والے نہ بہت بڑے علامہ تھے اور نہ فلاسفر، بلکہ زاہد مرتاض صوفی تھے یا ایمان دار تاجر یا سادہ لوح علماء، جن کا طرزِ زندگی دیکھ کر گمراہی میں بھٹکنے والے خود بخود کھنچتے چلے گئے۔ اب آپ میدانِ عمل میں جا رہے ہیں، ان گذارشات کو پیش نظر رکھیں اور جم جائیں، کسی نوع کے وسوسے میں مبتلا نہ ہوں بلکہ اولین وحی کے نزول کے وقت آں حضورؐ کی گھبراہٹ کو دیکھ کر پیکر دانائی مادر مومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے تسلی کے جو کلمات کہے تھے انہیں یاد رکھیں۔

پروردگار اپنوں کو آزماتا ضرور ہے، ضائع نہیں کرتا۔ ویسے بھی آپ کے مستقبل کی بہتری منصوص ہے۔ ارشاد نبوی ہے **من یرد اللّٰہ بہٖ خیراً یفقہ فی الدین.**

عزیز طلبہ! آج کی یہ تقریب اس اعتبار سے بڑی مسرت انگیز ہے کہ آپ اپنے اساتذہ ومہمانانِ کرام کے ہاتھوں بشکل کتب اپنی محنتوں کا انعام حاصل کریں گے، یہ انعام چاہے بظاہر معمولی ہوں لیکن جس نسبت سے مل رہے ہیں اور جن ہاتھوں سے مل رہے ہیں اس چیز نے انہیں غیر معمولی بنادیا ہے، ان کے ساتھ کشمیری الامام کے اس نادان شاگرد کا معاملہ نہ ہو، جس نے ان کی دی ہوئی کتاب ''فصل الخطاب'' کو بیچ کر دوآنے کے امرود کھالئے تھے، بلکہ وہ پاکیزہ سلوک ہو جو حضرت معاویہؓ نے آں حضورؐ کی ردائے مبارک کے تئیں امتیاز کیا تھا۔ قصیدۂ ثابت سعاد کے انعام میں حضرت کعب بن زبیرؓ کو جو چادر آپؐ نے عنایت فرمائی تھی، حضرت معاویہ نے بمشکل تمام اسے حاصل کر کے ردائے خلافت بنالیا تھا۔ خلفائے بنوامیہ پوری زندگی اسی چادر کو اوڑھ کر بیعت خلافت لیتے رہے۔

گذشتہ تین سالوں یعنی ۱۴۳۴ھ، ۱۴۳۵ھ اور ۱۴۳۶ھ میں درجۂ حفظ سے ۳۱، تکمیل ادب عربی سے ۲۳، تکمیل افتاء سے ۲۵ اور دورۂ حدیث شریف کے فارغین کی تعداد ۲۰۶ رہی۔ ان کو اور دیگر درجات کے طلبہ کو آج گراں قدر انعامات سے نوازا جائے گا۔ دورۂ حدیث کے ۱۹ فضلاء اور حفظ کلام پاک کی سعادت حاصل کرنے والے ۷ حفاظت کی دستار بندی بھی ہوگی۔ **زادھم اللہ علماً و صلاحاً.**

عزیزم محمد سالم کبیر نگری، محمد حشیم دیوبندی اور محمد زاہد دہلوی الگ الگ سالوں میں سب سے زیادہ نمبرات حاصل کر کے پورے جامعہ میں ممتاز رہے۔ اللہ ان کے علم میں برکت عطا فرمائے۔

اس درخواست کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں کہ آپ اپنے اس محسن ادارے سے فکری وعملی وابستگی کو باقی رکھیں اور اپنے اساتذہ وذمہ داران خاص طور سے فخر المحدثین، وسیع النظر عالم دین بانی جامعہ حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی نور اللہ مرقدہٗ کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

آخر میں معزز مہمانان بالخصوص گرامی مرتبت حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ، کہ انہوں نے اپنی تشریف آوری سے مجلس کو وقار واعتبار بخشا اور اربابِ مکتبات کا بھی کہ ان کے بیش قیمت تعاون سے یہ تقریب بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ **فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء.**

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

وصی احمد قاسمی

خادم تعلیمات جامعہ امام انور، دیوبند

۴ رشعبان المعظم ۱۴۳۷ھ

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

استاذ حدیث جامعہ ہٰذا

سالانہ امتحان کی تاریخوں کا اعلان : شعبان المعظم کے قریب آتے ہی سالانہ امتحان کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ طلبہ کا مذاکرہ اور مطالعہ پہلے سے فزوں تر ہوگیا۔ اساتذہ نصابِ کتب کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ الحمدللہ بہت سی کتابیں تکمیلِ نصاب تک پہنچ چکی ہیں۔ دریں اثناء جامعہ کی مجلس تعلیمی کی امتحان سے متعلق نشست منعقد ہوئی، جس میں باتفاق رائے تاریخوں اور نظماء امتحان کا تعین ہوا، انشاء اللہ سالانہ امتحان ۱۴ر مئی تا ۲۴ مئی ۲۰۱۶ء کے درمیان ہوگا۔ ۲۴ر مئی دوپہر سے جامعہ کی تعطیل کلاں رہے گی۔ مجلس نے استاذ و نائب ناظم تعلیمات محترم محمد زعیم عابد صاحب دام ظلہم کو امتحان کا ناظم اور مولانا محمد ساجد بستوی کو نائب ناظم نامزد کیا ہے۔

بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس شب براء ت میں : حسبِ سابق اس مرتبہ بھی اصح الکتب بعد کتاب اللہ ''بخاری شریف'' کی آخری حدیث کا درس شب براءت میں ہوگا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم ''کلمتان حبیبتان الخ'' کا تفصیلی درس دیں گے۔ اس موقع پر ملکی سالمیت اور عالم اسلام کے لئے دعائے خیر ہوگی۔ عیاں رہے کہ اس رات میں دعاء میں شرکت کے لئے دور دراز سے لوگ آتے ہیں اور اپنے لئے دعا کراتے ہیں۔ اس میں خواہش مندوں کا نکاح بھی ہوتا ہے۔

تعمیراتی خبریں : جامعہ کی عظیم عمارت الموسوم بہ دارالحدیث ''انور ہال'' کی تعمیر بہت برق رفتاری کے ساتھ جاری ہے۔ مشرقی زینے پر ریلنگ کا کام باقی تھا، الحمدللہ مکمل ہو چکا ہے۔ شرقی اور غربی دونوں سیڑھیوں میں اسٹیل کی ریلنگ لگائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تحتانی منزل کی چھت پر پی او پی چل رہی ہے۔ باب معظم شاہ کے سامنے دارالحدیث سے متصل کافی دور تک گراں قیمت پتھر نصب کئے گئے ہیں، جن کی چکنائی اور گھسائی بھی تکمیل کے مراحل میں ہے۔

دارالعلوم انوریہ نونابڑی میں اساتذۂ جامعہ کی حاضری : نونابڑی تعلقہ دیوبند میں

حسب سابق دارالعلوم انوریہ کے احاطے میں سالانہ جلسہ ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا نثار خالد قاسمی دیناجپوری استاذ حدیث، مولانا محمد صغیر، استاذ حدیث اور احقر فضیل احمد ناصری نے شرکت کی۔ ان حضرات نے جلسہ سے وقیع خطاب بھی کیا۔ مولانا صغیر صاحب نے نے عوام کو اتباع سنت کی تلقین کی اور کہا کہ فتنہ وفساد کی ساری جڑ ''راہِ سنت'' سے انحراف ہے۔ مولانا مفتی نثار خالد صاحب نے مسلمانوں سے اخلاقِ حسنہ اپنانے کی اپیل کی۔ انہوں نے کہا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کے وقت دنیا اخلاقی برائیوں میں گرفتار تھی، اللہ عزوجل نے آپ کو معلم اخلاق بنا کر بھیجا۔ احقر نے امت محمدیہ کے برپا کئے جانے کے مقاصد پر ہلکی روشنی ڈالی۔ انہیں بتایا گیا کہ دین کے اہم شعبوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی شامل ہیں۔ ان کا ترک گمراہی کا سبب ہے۔

واردین و صادرین : آل انڈیا ملی کونسل کے اہم ذمہ دار جناب ڈاکٹر منظور عالم صاحب جامعہ میں تشریف لائے۔ مقصد آمد اساتذۂ جامعہ سے ملاقات اور علمی تبادلہ تھا۔ موصوف نے ملک میں پھیلی فرقہ پرستی کا دندان شکن جواب دینے کے لئے سنسکرت کو داخل نصاب کرنے پر زور دیا تاکہ اس سے اچھی باتیں نکال کر برادرانِ وطن کو سنائی جائیں۔ موصوف نے کہا کہ فرقہ پرست طبقہ اگر سنسکرت کی مثبت تعلیمات کا مطالعہ کرے تو اس کی فرقہ پرستی دم توڑ جائے گی۔ انہوں نے طلبہ کی ایک اچھی ٹیم کو اس کام میں لگانے کی پرزور اپیل کی۔

ہندومت پر جامعہ میں محاضرہ : اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے جامعہ میں ایک اہم مجلس محاضرہ منعقد ہوئی، جس میں جناب عبدالرشید اگوان راجستھانی نے ہندو دھرم پر گراں قدر محاضرہ پیش کیا۔ موصوف کئی اہم کتابوں کے مصنف ہیں اور اس موضوع پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ طلبہ اور علماء کی موجودگی میں انہوں نے کہا کہ ہندو دھرم کوئی دھرم نہیں ہے۔ یہ تو چند خیالات اور مروجات کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے ملک میں بڑھتی فرقہ پرستی کے اسباب پر بھی سیر حاصل بحث کی۔ وقفہ کے دوران اساتذہ اور طلبہ نے موصوف سے متعلقہ موضوع پر سوالات کئے جن کا انہوں نے مدلل جواب دیا۔ نظامت مولانا محمد ساجد قاسمی نے کی اور مولانا مفتی نثار خالد صاحب کی دعا پر محاضرہ ختم ہوا۔

انجمن کواکب انور کا سالانہ مسابقۂ خطابت : سالِ رواں کی آخری منزل یعنی رجب کے آتے ہی طلبہ کا جوش وخروش اور مطالعہ کی بڑھتی دلچسپی دیکھ کر ناظم تعلیمات مفتی وصی احمد قاسمی نے پہلے ہفتہ میں طلبہ کی ہفتہ واری سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد مسابقہ خطابت کے انعقاد کا حکم فرمایا، جو ۵ر رجب کی شام بعد عشاء مولانا شیث احمد صاحب مظاہری اور مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اگلے روز تقسیم انعام کی تقریب منعقد ہوئی، جس میں پوزیشن لانے والے طلبہ کو گراں قدر انعام سے سرفراز کیا گیا جب کہ تمام شرکاء کو شرکت پر عمومی انعام سے نوازا گیا۔

پہلی پوزیشن پر ۶۳۰، دوسری پوزیشن پر ۵۷۰ اور تیسری پوزیشن پر ۴۷۰ روپئے کا انعام دیا گیا۔ جب کہ عمومی انعام

کی قیمت ۱۷۰ روپئے رکھی گئی تھی جو بہ شکل کتاب طلبہ کو دی گئی۔ واضح رہے کہ محمد عامر اول، رہبر صادق چہارم اور محمد افروز دوم نے بالترتیب اول، دوم وسوم پوزیشن حاصل کی۔

تقریب میں جامعہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالرشید صاحب بستوی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ امت کی اصلاح ورہنمائی کے لئے صرف درسی استعداد کافی نہیں ہے، بلکہ تقریر وتحریر سے مناسبت بھی ضروری ہے۔ مقام مسرت ہے کہ آپ لوگ اس حوالے سے محنت کررہے ہیں۔ مولانا زین الدین قاسمی مبلغ دارالعلوم وقف دیوبند نے بھی طلبہ کو مفید نصیحتیں کیں اور مبارک باد پیش کی۔ اس موقع پر مفتی وصی احمد بستوی، مولانا سراج احمد میرٹھی مبلغ دارالعلوم دیوبند بھی موجود رہے۔ حضرت مولانا شیث احمد مظاہری کی دعاء پر مجلس کا اختتام ہوا۔

جلسہ انعامیہ : ۱۲ رمئی ۲۰۱۶ء بعد نماز مغرب مسجد انور شاہ میں جلسہ برائے تقسیم انعامات منعقد ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے فرمائی۔ انہوں نے اپنے مختصر خطاب میں جامعہ امام انور شاہ کی تعلیمی حسنِ کارکردگی کو سراہتے ہوئے طلبہ کو نصیحت کی کہ آپ آج یہ عہد کرکے اٹھیں کہ آئندہ سالوں کے دوران سالِ رواں سے کہیں زیادہ محنت کریں گے اور آج سے بہتر انعامات کا خود کو مستحق بنائیں گے۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی مدظلہٗ نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جزا وسزا دنیا و آخرت ہر دو جگہ کے نظام کا حصہ ہے۔ جو لوگ اپنا کام وقت پر درست اور مطلوبہ معیار کے مطابق کرتے ہیں انہیں سراہا اور نوازا جاتا ہے جب کہ غفلت اور سستی کرنے والے سزا سے دوچار ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انعامات کی تقسیم میں درج بندی اس نظام کی یاد دلاتی ہے اور آپ کو مہمیز کرتی ہے کہ آئندہ مزید محنت، لگن اور شوق کے ساتھ تعلیم حاصل کریں۔

اس موقع پر جامعہ کے ناظم تعلیمات مولانا مفتی وصی احمد قاسمی نے جامعہ کی تعلیمی رپورٹ پیش کی، جس میں انہوں نے کچھ مفید نصیحتوں کے ساتھ تعلیم سے متعلقہ ضروری اعداد وشمار پیش کئے۔ جلسہ سے مولانا نسیم اختر شاہ قیصر، مولانا ندیم الواجدی اور صدر القراء جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی نے بھی خطاب کیا۔

ان حضرات نے جامعہ کے نیک نام نظام تعلیم وتربیت کی تحسین کی اور ہر سال تقسیم انعامات کی تقریب منعقد کئے جانے پر زور دیا کہ اس طرح طلبہ کی نہ صرف تشجیع ہوتی ہے بلکہ انہیں آگے بڑھنے اور مزید کامیابی حاصل کرنے کی مہمیز ملتی ہے۔ تینوں سالوں میں پورے جامعہ کو ٹاپ کرنے والے محمد سالم کبیر نگری، محمد حشیم دیوبندی اور محمد زاہد دہلوی، نیز اپنے اپنے درجات میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن لانے والے طلبہ کو نقد انعام کے ساتھ خصوصی انعامات سے نوازا گیا جب کہ کامیاب ہونے والے تمام طلبہ کو عمومی انعامات دیئے گئے۔ جلسے کی نظامت مولانا فضیل احمد ناصری نے کی۔

اجلاس ختم بخاری شریف : گزشتہ سالوں کی کی خوش گوار روایت کو باقی رکھتے ہوئے سالِ رواں بھی شب براءت میں ختم بخاری شریف کی باوقار تقریب جامعہ کے احاطہ میں منعقد ہوئی، اس اجلاس میں دیوبند کے مختلف

مدارس سے تعلق رکھنے والے متعدد علماء واساتذۂ جامعہ وبیرونِ جامعہ کے طلبہ نیز شہر اور قرب وجوار کے دیہاتوں سے عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔اس موقع پر مولانا نسیم اختر شاہ قیصر، مولانا عبدالرشید بستوی، مولانا شیث احمد مظاہری اور مفتی وصی احمد بستوی نے شب براءت کی فضیلت وعظمت، اس بابرکت رات کے پسندیدہ اعمال، ماہِ رمضان کے استقبال، ماہِ رمضان کی عظمت وبرکت، علم دین کی فضیلت واہمیت اور دینی مدارس ومکاتب کی ضرورت وافادیت پر بیانات کئے۔

بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس جامعہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ بخاری شریف کی ترتیب ابواب تمام کتبِ احادیث میں ممتاز ومنفرد ہے۔سیدنا امام بخاریؒ کی عبقریت شان کی دلیل بھی۔انہوں نے اس موقع پر وحی کی ضرورت وعظمت، نبی کے مقام ومرتبہ، وحی کی شدت پر تفصیلی کلام کرنے کے ساتھ ساتھ آخری حدیث کے الفاظ کی بھرپور تشریح فرمائی۔اس ذیل میں وزنِ اعمال واقوال کی کیفیت پر بھی بسیط کلام کیا اور حدیث میں وارد دونوں جملوں **سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم** کی اہمیت بھی اجاگر فرمائی۔انہوں نے آخر میں تمام طلبۂ دورہ حدیث شریف کو حضرات محدثین کی شرائط کے مطابق روایتِ حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اس موقع پر انہوں نے دیر تک بڑی رقت آمیز دعا کی، جس میں ملک کی امن وسلامتی، ترقی وخوش حالی، امت مسلمہ کی زبوں حالی، فتنوں ومصیبتوں سے حفاظت کی خصوصی طور پر دعائیں کیں۔ختم بخاری شریف کا یہ اجلاس بعد نماز عشاء شروع ہوکر رات ایک بجے اختتام پذیر ہوا۔

✦.....✦.....✦

فقہ وفتاویٰ

مولانا مفتی نثار خالد دیناجپوری

استاذ حدیث جامعہ ہٰذا

سوال : تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے نکالے گئے حجامت کے خون کو پی لیا تھا، مجھے اس پر یہ سوال ہے کہ خون تو نجس ہے، اس کو پینا حرام ہے، پھر ایک صحابیٔ رسولؐ نے ایسا کیوں کیا؟

جواب : نبی کریم ﷺ کے فضلات مثل بول و براز اور خون کے بارے میں صحیح ترین بات یہ ہے کہ وہ پاک ہیں اور یہ نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ علامہ شامیؒ نے شامی میں لکھا ہے: **تنبیہ : صحح بعض ائمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلائه و به قال ابو حنيفة كما نقله فى المواهب اللدنية عن شرح البخارى للعينى و صرح البيرى فى شرح الاشباه، وقال ابن حجر : تظافرت الادلة على ذالك و عدّ الائمة ذلك من خصائصه ﷺ و نقل بعضهم عن شرح المشكاة لملا على القارى انه قاله : اختاره كثير من اصحابنا الخ** (باب الانجاس، ص ۴۵۲، دار الکتاب)

سوال : رسول اللہ ﷺ وحی آنے سے قبل کون سی شریعت پر عمل کیا کرتے تھے؟

جواب : شرح فقہ اکبر ص ۱۰۷ میں لکھا ہے: **قال الامام فخر الرازى: الحق ان محمداً ﷺ قبل الرسالة ما كان على شرع نبى من الانبياء وهو المختار عند المحققين من الحنفية لانه لم يكن من امة نبى قط لكنه كان فى مقام النبوة قبل الرسالة و كان يعمل بما هو الحق الذى ظهر عليه فى مقام النبوة بالوحى الخفى والكشوف الصادقة من شريعة ابراهيم عليه السلام وغيرها. الخ.** عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی سے قبل کسی بھی گذشتہ نبی کی پیروکار نہیں تھے بلکہ آپ علیہ السلام نزولِ وحی سے قبل بھی مقامِ نبوت پر فائز تھے اور وحی خفی وغیرہ کے ذریعہ شریعتوں میں جس بات کا حق ہونا ہے آپؐ پر واضح ہوتا، آپؐ اسی پر عمل کیا کرتے تھے۔

سوال : کسی نے اگر دورانِ طواف قہقہہ لگایا تو اس کے بعد وہ اسی حالت میں بقیہ طواف کرے یا وضو کرے، پھر بقیہ طواف کرے۔

جواب : طواف کے لئے طہارت شرط ہے یعنی ضروری ہے کہ طواف کرنے والا حدث اکبر اور حدث اصغر سے پاک ہو **والطهارة من الحدثين** (مراقی، ص۲۹۷) اور منحۃ الخالق علی ہامش البحر ص ۷ے نواقض وضو کے بیان میں لکھا ہے: **و اما حل الطواف بهذا الوضوء ففيه تردد و الحاق الطواف بالصلاة يوذن بانه لا يجوز فتدبر الخ.** عبارت مذکور سے معلوم ہوا کہ دورانِ طواف اگر کوئی شخص قہقہہ لگا کر ہنسے گا تو اس سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، جس طرح کوئی نمازی اپنی نماز کے دوران قہقہہ لگائے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا اس پر ضروری ہے کہ مابقیہ طواف وضو کر کے کرے۔

سوال : ایک آدمی نے پیشاب کی راہ میں پائپ لگوایا ہے، سوال یہ کہ وہ آدمی ایسی حالت میں نماز پڑھے گا یا نہیں؟ پھر نماز پڑھنے کی صورت میں اس کے لئے طہارت حاصل کرنے کی صورت کیا ہوگی؟

جواب : جس شخص نے اپنے پیشاب کی راہ میں پائپ لگوایا ہے اس کو بھی نمازیں پڑھنی ضروری ہیں، پائپ لگوانے سے نمازیں ساقط نہیں ہوں گی، البتہ چوں کہ پائپ کی راہ سے مسلسل مواد نکلتا رہتا ہے لہٰذا اس کے لئے وضو کا حکم یہ ہے کہ نماز کا وقت ہونے پر یہ شخص وضو کرے گا اور اس کا وضو اس نماز کے پورے وقت تک باقی رہے گا، الا یہ کہ کوئی دوسرا ناقض وضو عارض آجائے۔ لہٰذا وقت نکل جائے گا تو اس کے لئے نئے سرے سے وضو کرنا ہوگا اور اس وضو سے وقت نکلنے تک جتنے چاہے فرائض، واجبات و نوافل ادا کر سکتا ہے۔ **و انما صاحب الجرح الذى لا يرقأ..... ومن به سلسل البول ..... يتوضؤن لوقت كل صلوة فيصلون بذلك فى الوقت ما شاؤا من الفرائض والنوافل** (کبیری، ص۱۱۶) **و فى البدائع و انما تبقى طهارة صاحب العذر فى الوقت اذا لم يحدث حدثا آخر.** (بحر الرائق، ص۳۷۴، ج۱)

سوال : زید نے وضو کر لی، پھر اس کے منہ سے کرمی نکل آئی تو کیا اس سے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب : کرمی کسی باوضو شخص کے منہ سے نکل آئے تو اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ کرمی اگرچہ پیٹ ہی کے اندر سے نکلتی ہے مگر اس کے جسم میں تری بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے یعنی اتنی نہیں ہوتی ہے کہ جس کو آپ ملأ الفم (منہ بھر) کہہ سکیں۔ چنانچہ کبیری میں لکھا ہے **و اما ان كان من الجوف فانه و ان لم يكن من جراحة لكن ما عليها قليل لا يملأ الفم فلا يكون حدثا بخلاف ما يخرج من السبيلين.**

سوال : زید کا انتقال ہو گیا اس کے منہ سے پانی نکل کر راشد کے کپڑے پر لگ گیا تھا، ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ راشد پر اپنے کپڑے کو دھونا ضروری ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب : حضرات علماء نے میت کے منہ سے نکلنے والے پانی کو نجس قرار دیا ہے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ **ماء فم المیت نجس بخلاف ماء فم النائم** (ص۴۰۲، ج۱) لہٰذا جس نے یہ بات کہی ہے کہ صورت مذکورہ میں راشد کو کپڑا دھونا ضروری ہے۔ انہوں نے صحیح کہا ہے، البتہ پانی لگنے کی جگہ دھوئے کیوں کہ وہی ناپاک ہوئی ہے۔

سوال : زید نماز پڑھ رہا تھا، جب اس نے قعدۂ اولیٰ کیا تو اس کو تشہد پڑھنا تھا، مگر سہو میں سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کی، قریب بہ ختم تھا کہ اس کو یاد آیا کہ مجھے تو تشہد پڑھنا ہے، چنانچہ پھر اس نے تشہد پڑھ لیا۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں کیا اس کو سجدہ سہو کرنا ہوگا؟

جواب : مسئلہ یہ ہے کہ قعدہ میں بیٹھتے ہی (خواہ قعدۂ اولی ہو یا قعدۂ اخیرہ) تشہد پڑھنا واجب ہے اور زید نے بہ صورت مذکورہ اس کے خلاف کیا ہے اس لئے اس کو سجدۂ سہو کرنا اپنی نماز کے آخر میں ضروری ہے۔ **ولو قرأ فی القعود فان قرأ قبل التشهد فی القعدتین فعلیه السهو لترك واجب الابتداء بالتشهد اول الجلوس.** (حاشیہ الطحطاوی، ص۴۶۱)

مسئلہ : اور اگر تشہد کے بعد زید نے ایسا کیا ہو اور قعدۂ اولیٰ میں کیا ہو تو بھی سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا اور اگر قعدۂ اخیرہ میں ایسا کیا تو پھر اسے سجدہ کرنا نہیں ہوگا۔

سوال : لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ آدمی کا خمیر جہاں کا ہے قدرتی طور پر وہ وہیں دفن کیا جاتا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

جواب : یہ بات جو لوگوں میں مشہور ہے اس کی اصل یہ ہے کہ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گذرے تو صحابہؓ سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ فلاں حبشی کی ہے۔ تو آپ نے اس کے بعد فرمایا لا الٰہ الا اللہ یہ شخص اس مٹی میں چلا گیا جس سے یہ پیدا کیا گیا تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: **عن ابی سعید الخدریؓ قال: مر النبی ﷺ عند قبر فقال: قبر من هذا؟ فقالوا: لفلان الحبشی یارسول اللّٰه! فقال: لا الٰه الا الله سبق من ارضه و سمائه الی التربة التی منها خلق الخ.** اور حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: **لو حلفت حلفت صادقاً باراً غیر شاك ولا مستثنٍ ان اللّٰه تعالی ما خلق نبیّه ﷺ ولا ابا بکر ولا عمر الا من طینة واحدة ثم ردهم الی تلك الطینة الخ.** (وفاء الوفاء ص۳۳، ج۱)

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ خمیر جہاں کا تھا وہیں چلا گیا اس کی اصل ہے اور درست ہے۔ واللہ اعلم

✦.....✦.....✦

نقد ونظر

❖ **مبصر**: مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی
استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

کتاب : امام بخاریؒ کا طریقۂ استدلال واستنباط
مؤلف : مولانا اقبال محمد ٹنکاروی صاحب
صفحات : ۵۲۶ **قیمت** : ۲۰۰ روپئے

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کا نام ہر اہل علم کی زبان پر ہے۔ ان کی مرتب کردہ کتاب ''صحیح بخاری'' کے نام سے شہرت دوام پا چکی ہے۔ کہنے والے نے تو اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ تک کہہ دیا ہے۔ ان کے حسنِ ترتیب، اسلوب جمع اور جذبِ دروں نے ان کی محنت ہائے شاقہ کو مقبولیت کاملہ کی عظیم معراج بخشی۔ امام بخاری عموماً امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ عمومی تاثر یہی ہے کہ وہ ایک عظیم محدث تھے، لیکن فقہ میں ان کو کوئی خاص درک نہیں تھا۔ یہ ایک غلط فہمی ہے، جس کا نظریہ یہ ہے، دراصل وہ امام بخاری کے مقام ومرتبہ سے نا آشنا ہے۔ امام بخاری جتنے بڑے محدث تھے، اتنے ہی بڑے فقیہ بھی تھے، حتی کہ محدثین نے کہا ہے کہ بخاری کی فقاہت تک پہنچنا ہرگز ہرگز آسان نہیں۔ بخاری شریف کے تراجم ابواب درحقیقت بخاری الامام کی شانِ تفقہ کے عجیب وغریب نمونے ہیں۔

امام بخاریؒ کی فقہی بصیرت، استنباطی مہارت اور قوتِ استدلال کا مختلف اہل علم نے جائزہ لیا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی عظیم مقصد کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ کتاب میں مؤلف نے مختلف عنوانات کے تحت شان دار علمی بحثیں کی ہیں۔ اصول فقہ کا ارتقاء، محدثین کے قواعد اجتہاد، اصول فقہ میں فقہ حنفی کی خصوصیات اور ان جیسے کئی اہم عناوین کے ذیل میں تاریخی اور گراں قدر معلومات جمع کر لی گئی ہیں۔ کتاب میں امام بخاری کی اخذ حدیث اور استنباط کی شرائط، قرآن کریم کے متعلق امام بخاری کا اجتہادی منہج اور قیاس سے ان کے طریقۂ کار پر بھی خوبصورت علمی مذاکرے ہیں۔ مؤلف نے ۳۷ عنوانات قائم کر کے موضوع سے متعلق مختلف پہلوؤں، گوشوں اور جہتوں کو تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کتاب خالص علمی ہے، طرز بیان بھی متین وسنجیدہ۔ پیرایۂ اظہار سادہ ودلکش۔ علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لئے ایک بے بہا نعمت اور دولتِ مستعجل۔

مؤلف کتاب گجرات کی اہم دینی درسگاہ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا (بھروچ) کے مدیر و منتظم ہیں۔ اتنے بڑے ادارے کو سنبھلانا خود کارے دارد ہے، اس پر اتنی فنی اور تحقیقی مواد کی جمع و ترتیب۔ انہیں خارق عادت اور خصوصی کرامت نہ کہئے تو اور کیا کہئے۔ کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کو اس کی تالیف کے دوران ''کئی ہفت خواں'' طے کرنے پڑے ہیں۔ بے پناہ خارزار وادیوں سے انہیں گزرنا پڑا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اسی شخص کو ہوسکتا ہے، علم حدیث سے جسے ''مس'' ہوا اور وہ اس کی تہوں میں گھستے جانے کا قابلِ رشک حد تک رسیا ہو۔ احقر مؤلف کو ان کی اس خوبصورت کتاب پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔

✦.....✦.....✦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر

تعارف واحوال

۳۸-۱۴۳۷ھ / ۱۷-۲۰۱۶ء

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ

معتمد

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

Jamia Imam Muhammad Anwar Shah

Allama Anwar Shah Road, Behind Eidgah,
Deoband - 247554 (U.P.) India

Contact No. : +91 8006075484, 9412496763
Tel.(office) : 01336-220471
E-Mail : ahmadanzarshah@gmail.com

ابن الانور فخر المحدثین، منفرد ادیب وصاحب طرز خطیب
حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ

ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ والد گرامی نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالم اسلام میں بے نظیر عالم ومحدث، دادا کشمیر کے ممتاز عالم ورجل صالح اور جد امجد شیخ مسعود نروری اپنے دور کے عظیم داعی اسلام، مبلغ ومصلح اور عالم۔

شاہ صاحب کا رجحان، حالات زمانہ سے مجبور اور کم سنی ہی میں والد گرامی کا سایہ اٹھ جانے سے عصری علوم کی طرف ہوگیا۔ لیکن توفیق الٰہی نے دست گیری فرمائی اور شاہ صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں چند ہی سالوں میں علوم کی تکمیل کرلی اور دارالعلوم میں بہ حیثیت مدرس منتخب کرلیے گئے۔

والد کی شبیہ، علمی دنیا میں ان کی قدر ومنزلت اور دارالعلوم کے ماحول میں اپنا وقار واعتبار پیدا کرنے کے جذبہ نے شاہ صاحب کو شبانہ روز محنت کرنے پر لگادیا، نتیجہ ظاہر تھا کہ شاہ صاحب چند ہی سالوں میں طلبہ کے درمیان انتہائی مقبول، اپنے رنگ وآہنگ کے منفرد استاذ بن گئے، میزان سے بخاری تک ہر کتاب پڑھائی اور ندرت وابتکار کے ساتھ۔ لکھنے پر آئے تو الفاظ کی بندش، ترکیب کی ندرت، مضمون کا اچھوتا پن دیکھ کر ہر صاحب ذوق کہہ اٹھا ''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاایں جاست''۔

حالات کی ستم ظریفی ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم سے علاحدگی پر منتج ہوئی، جامع مسجد کی چٹائیوں سے اٹھے اور عیدگاہ سے آگے ایک دوسرا دارالعلوم کھڑا کردیا اور اس کی صدارت تدریس ومنصب شیخ الحدیث کو زینت بخشی۔ کچھ نیا، انوکھا اور خوب سے خوب تر کرڈالنے کے مزاج نے وفات سے ۹-۸ سال پہلے ''معہد انور'' قائم کیا، جو محض درجہ حفظ سے شروع ہوکر قلیل ترین مدت میں دورۂ حدیث شریف وتکمیل ادب عربی وافتاء کی معیاری تعلیم گاہ بن گیا اور دنیا میں ''جامعہ امام محمد انور شاہ'' کے نام سے متعارف ہوگیا۔

تفسیر مدارک کے اردو ترجمہ وتحشیہ کے علاوہ درجنوں کتابیں تالیف کیں، ہزار ہا ہزار علمی، دینی، اصلاحی، سیاسی وسماجی مضامین تحریر کئے۔ صحت قابل رشک، ہمت جواں، حوصلے بلند اور آسمان پر کمندیں ڈالنے کے لیے ۵۵/سال تک دین وعلم کی خدمت اور تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد چند مہینے جگر وگردہ کی بیماریوں سے نبرد آزما رہے۔ بالآخر وقت موعود آن پہنچا۔ حضرت شاہ صاحب کی پیدائش رشک بغداد وبخاریٰ سرزمین دیوبند میں ۱۴/شعبان ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۶/جنوری ۱۹۲۹ھ میں ہوئی۔ جہد مسلسل، محنت ومشقت، علم وحکمت، اصلاح ونصیحت، درس وتدریس، تحریر وتصنیف اور وعظ وخطابت سے لبریز زندگی کی ۸۲/ بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۹/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶/اپریل ۲۰۰۸ء کو رحلت فرما گئے۔

اللھم انزل علیه شآبیب رحمتک و رضوانک (آمین)

تأثرات

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صدر مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجامعۃ الإسلامیۃ دار العلوم وقف دیوبند، الہند

DARUL - ULOOM WAQF DEOBAND -247554 (U.P.) INDIA

التاریخ ____________ الرقم ____________

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الأمین و بعد!

عزیز مکرم جناب مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث دار العلوم وقف دیوبند وسیع المطالعہ اور بالغ نظر محدث تھے۔موجودہ زمانہ کے حالات، تقاضوں اور ضروریات سے بھی ان کو، بخوبی واقفیت تھی۔

انہوں نے وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے آج سے تقریباً بیس برس پہلے اپنے فخر روزگار والد امام العصر حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے نام پر جامعہ امام محمد انور شاہ [سابق نام معہد الانور] قائم کیا۔اس جامعہ میں درسِ نظامی کے پہلو بہ پہلو عصری علوم و فنون: ہندی وانگریزی زبان، حساب، جغرافیہ اور کمپیوٹر کو بھی نمایاں جگہ دی گئی۔

چند سالوں میں اس جامعہ نے پورے ملک میں نیک شہرت حاصل کر لی، قدیم وجدید علوم کی معیاری تعلیم کا ایک منفرد اور نمائندہ بن گیا اور بڑی تعداد میں طلبہ اس کا رخ کرنے لگے۔اسی رجوع کے سبب جامعہ ہذا کے تعلیمی درجات وشعبہ جات میں سال بہ سال اضافہ ہونے لگا۔

گزشتہ چند سالوں سے جامعہ کا نظام واہتمام عزیز القدر مولانا سید احمد خضر شاہ سلمہٗ دیکھ رہے ہیں۔اس عرصہ میں ادارہ نے تعلیمی، تربیتی اور تعمیری ہر لحاظ سے ترقی کی ہے۔فالحمد للہ علیٰ ذالك. اس وقت یہاں حفظ قرآن کریم سمیت، از اول عربی تا دورۂ حدیث شریف نیز تکمیل ادب عربی وتکمیل افتاء کی تعلیم کا معقول بندوبست ہے۔

علاوہ ازیں جامعہ کے تحت ''امام العصر اکیڈمی'' کا تالیفی وعلمی شعبہ، امام العصر حضرت علامہ کشمیریؒ کے علوم وافادات کے حوالہ سے اس میدان میں ممتاز خدمات انجام دے رہا ہے۔اب تک اکیڈمی ہذا کی طرف سے دو درجن سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ، تحقیق، تعریب اور تالیف کے مراحل سے گزر کر منظر عام پر آچکی ہیں۔اللّٰھم زد فزد!

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کے لئے ہر طرح کی ترقی مقدر کرے، غیب سے اسباب ووسائل کا انتظام کرے اور اسے جناب مولانا انظر شاہ صاحب کے لئے بہ طور صدقہ جاریہ قبول کرے۔آمین

(محمد سالم قاسمی)

صدر مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

۱۳؍رجب المرجب ۱۴۳۶ھ

دار العلوم وقف دیوبند ۱۲۸۳ھ

Office: +91-1336-222752, Mobile: +91-9927515725 - E mail: deputyrector@dud.edu.in, info@dud.edu.in
website: www.dud.edu.in / www.darululoomwaqf.com

فہرست اکابر امت جن کی سرپرستی، توجہات روحانی، ادعیہ صالحہ، ارشادات عالیہ اور ورودِ مسعود کے فیوض و برکات سے جامعہ راہِ ترقی ہے

★ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
★ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
★ شیخ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی مہتمم دارالمعارف الہ آباد
★ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری صدر مدرس وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
★ حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی صدر مدرس دارالعلوم وقف دیوبند
★ حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
★ حضرت مولانا محمد شاہد صاحب سہارن پوری، امین عام مظاہر علوم سہارن پور
★ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
★ حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی، صدر تعلیمی فاؤنڈیشن دہلی
★ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، المعہد العالی حیدرآباد
★ حضرت مولانا محمد عبیداللہ اسعدی صاحب، شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ
★ حضرت مولانا نورالحسن صاحب راشد، کاندھلہ
★ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتح پوری، مفتی اعظم مہاراشٹر
★ حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب ندوی اعظمی، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
★ محترم جناب میر واعظ عمر فاروق، بانی وچیئرمین حریت کانفرنس جموں وکشمیر
★ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب پھول پوری، ناظم بیت العلوم سرائے میر
★ حضرت مولانا قاری محمد قاسم صاحب، امام وخطیب پریامیٹ مسجد مدراس
★ محترم جناب شیخ سہیل صاحب، صدر تنظیم علمائے ہند مہاراشٹر، بمبئی
★ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
★ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
★ محترم جناب بشیر احمد کچلو صاحب، وزیر برائے حج واوقاف جموں وکشمیر
★ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب، مہتمم دارالعلوم سوپور کشمیر
★ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی، شیخ الحدیث جامعہ رحیمیہ دہلی
★ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حارث ندیم صاحب، مہتمم مدرسہ صدر بازار دہلی
★ حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، مکہ مکرمہ
★ حضرت مولانا عبدالحمید اسحاق صاحب مہتمم دارالعلوم آزادول، جنوبی افریقہ
★ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی، استاذ حدیث ابوظہبی
★ حضرت مولانا بدرالحسن صاحب القاسمی، کویت
★ محترم جناب اقبال اے پٹیل صاحب، زامبیا
★ محترم جناب یونس محمد حسین صاحب، ماریشس
★ محترم جناب محمد اشری احمد صاحب، مدرسۃ القرآن، ملیشیا
★ محترم جناب فردوس بن عبداللہ صاحب، ملیشیا
★ حضرت مولانا ازہر صوبے دار صاحب، کینیڈا
★ حضرت مولانا اظہار احمد صاحب قاسمی دیوبندی، لندن
★ حضرت مولانا شفاعت احمد صاحب، ویسٹ انڈیز
★ الشیخ جاسر عودہ، ڈائریکٹر مرکز دراسات مقاصد شریعت لندن

شعبہ جات

جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند کا انتظامی، تعلیمی اور تربیتی کام درج ذیل مختلف شعبہ جات میں پھیلا ہوا ہے:

(۱) شعبۂ اہتمام:

یہ شعبہ جامعہ امام محمد انور شاہ کا ایک کلیدی شعبہ ہے۔ تعلیمی، تربیتی و جملہ شعبہ جات و دفاتر اسی کے تحت کام کرتے ہیں۔ تمام شعبوں کی منظوری سے متعلق کاغذات اسی شعبہ سے ہو کر گذرتے ہیں۔

(۲) شعبۂ تعلیمات:

یہ جامعہ کا اہم اور بنیادی شعبہ ہے۔ اس کے تحت درج ذیل تعلیمی درجات ہیں:

(الف) تحفیظ القرآن الکریم

(ب) عربی درجات از سال اوّل تا دورۂ حدیث شریف

(ج) تکمیل ادب عربی

(د) تکمیل افتاء

(۳) شعبۂ محاسبی

(۴) شعبۂ تنظیم و ترقی

(۵) شعبۂ مطبخ

(۶) شعبۂ دارالاقامہ و صفائی

(۷) شعبۂ نشر و اشاعت

(۸) شعبۂ کتب خانہ

(۹) شعبۂ تعمیرات

(۱۰) شعبۂ برقیات

(۱۱) شعبۂ کمپیوٹر

(۱۲) شعبۂ انٹرنیٹ

(۱۳) شعبۂ محافظ خانہ

(۱۴) شعبۂ محدث عصر

(۱۵) شعبۂ مہمان خانہ

(۱۶) شعبۂ اسٹور روم

ترجیحی ضروریات

★ انور ہال کی مکمل تعمیر
★ رہائشی کمرے برائے طلبہ یعنی دارالاقامہ میں توسیع
★ تعمیر بیت الخلاء و پیشاب خانے اور غسل خانے
★ مکمل تعمیر مطبخ جس میں کھانا تیار ہو سکے اور طعام گاہ
★ باؤنڈری کی مزید بلندی
★ مین گیٹ کی تعمیر
★ واٹر ٹینک کا نظم اور بڑے جنریٹر کی فراہمی
★ اندرون جامعہ پختہ سڑکوں کی تعمیر
★ اندرون جامعہ روشوں پر بجلی و روشنی کا نظم

منصوبے

★ طلبہ اور اساتذہ کی تعداد میں اضافہ
★ مسجد انور شاہ کی توسیع
★ کتب خانہ کے لیے مزید کتابوں کی خریداری
★ شائع شدہ کتابوں کی طباعت و اشاعت
★ اندرون جامعہ کینٹین
★ ایک سال میں تجوید، دینیات اور بنیادی عصری تعلیم کے ساتھ کمپیوٹر کی بھی ابتدائی تعلیم
★ اونچے پیمانے پر جدید تعلیم کا نظم

جامعہ ایک نظر میں

بیاد : محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

بانی : فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ

معتمد : حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

سن قیام : ۱۴۱۸ھ

نوعیت : آزاد مدرسہ (سرکار سے الحاق نہیں)

شعبہ جات : ۱۶ تعداد اساتذہ وعملہ : ۲۹

شائع شدہ کتب : ۲۷ زیر تصنیف کتب : ۵

معیار تعلیم وتعداد طلبہ از ابتداء تا حال

★ کل فارغین حفظ وتجوید (۱۴۲۲ھ تا ۱۴۳۷ھ) : ۳۹۹

★ کل فارغین درجات عربی (۱۴۲۲ھ تا ۱۴۳۷ھ) : ۱۲۳۶

★ کل فارغین دورۂ حدیث (۱۴۳۰ھ تا ۱۴۳۷ھ) : ۶۵۳

★ کل فارغین تکمیل ادب عربی (۱۴۳۵ھ تا ۱۴۳۷ھ) : ۵۰

★ کل فارغین تکمیل افتاء (۱۴۳۰ھ تا ۱۴۳۷ھ) : ۸۰

★ کل فارغین شعبۂ کمپیوٹر (۱۴۲۲ھ تا ۱۴۳۷ھ) : ۸۰۸

تعداد طلبہ سالِ رواں ۳۷-۱۴۳۶ھ

حفظ قرآنِ کریم	۲۸
سالِ اوّل تا سالِ پنجم (موقوف علیہ)	۱۳۳
دورۂ حدیث شریف	۱۲۴
تکمیل ادبِ عربی	۲۰
تکمیلِ افتاء	۱۵
شعبۂ کمپیوٹر	۷۴
کل تعداد طلبہ	**۳۹۴**

اہل خیر حضرات کی خدمت میں

رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق جون/جولائی ۲۰۱۶ء میں جامعہ کے لیے مالی تعاون حاصل کرنے کی غرض سے جن اساتذہ ومحصلین کو جس شہر یا علاقہ میں بھیجا جارہا ہے، اس کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے:

اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

نوٹ: رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ مطابق جولائی/اگست ۲۰۱۳ء سے نئے ڈیزائن ونمبرنگ کے ساتھ رنگین رسیدات کا اجراء کیا گیا ہے۔اس لیے تمام سابقہ رسیدات منسوخ سمجھی جائیں۔

۱	محترم جناب مولانا عبدالرشید صاحب بستوی استاذ حدیث جامعہ ہذا	ممبئی 09634506041
۲	محترم جناب مولانا شیث احمد صاحب استاذ حدیث جامعہ ہذا	مہاراشٹر 09897406800
۳	محترم جناب مولانا مفتی نثار خالد صاحب استاذ حدیث جامعہ ہذا	کلکتہ، ممبئی، مضافات اورنگ آباد و مالیگاؤں 09635416727, 07895070594
۴	محترم جناب مولانا فضیل احمد صاحب ناصری استاذ حدیث جامعہ ہذا	ممبئی 08881347125
۵	محترم جناب مولانا محمد ابوطلحہ صاحب استاذ تفسیر وفقہ جامعہ ہذا	جموں وکشمیر، پونہ، مہاراشٹر، بینگلور، مدراس 09997504588
۶	محترم جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب استاذ جامعہ ہذا	بڑودہ/گودھرا/احمد آباد/پالن پور 09670785218
۷	جناب مولوی محمد امین صاحب محصل شعبہ	جموں وکشمیر/لدھیانہ/مالیر کوٹلہ/جالندھر 09018249398, 08979399192
۸	جناب مولوی عشرت اللہ صاحب محصل شعبہ	مشرقی اتر پردیش 07275869794
۹	جناب مولوی محمد حنیف صاحب محصل شعبہ	بھروچ/انکلیشور/میرٹھ/مرادآباد/دہلی 09808808003

دفتر تنظیم وترقی جامعہ امام محمد انور شاہ نمبر برائے رابطہ: 01336-220471